اک نغمۂ نشاطِ روح کا اک کھل گیا چمن
جنبش ہوئی جو خامۂ رنگیں نگار کا

نشاطِ روح

مجموعہ کلام جناب اصغر حسین صاحب اصغر (گونڈہ)

مرتبہ

مرزا احسان احمد بی اے ایل ایل بی (علیگ)

باہتمام مولوی مسعود علی ندوی،

مطبع معارف اعظم گڈھ طبع شد

دسمبر ۱۹۲۵ء

دیباچہ

داغ جگر (مجموعۂ کلام حضرت جگر مرادآبادی) کی ترتیب و اشاعت کے بعد مین برابر اس فکر مین رہا کہ جس قدر جلد ممکن ہو حضرت اصغر کی شاعری کے اوراق منتشر کو ایک مجموعہ کی شکل مین ترتیب دیکر موجودہ بزم ادب [illegible] پیش کر دیا جائے، کیونکہ مجھکو حضرت اصغر کی شان بے نیازی سے خطرہ تھا کہ کہین یہ باقی ماندہ سرمایۂ سخن بھی ضائع نہو جائے، چند احباب خاص کی طرف سے بھی اس مجموعہ کی اشاعت کے لئے اصرار ہوتا رہا، چنانچہ محض تسکین خاطر کے لئے مین نے متعدد مواقع پر کلام اصغر کی اشاعت کا وعدہ بھی کرلیا اور یہی یقین دلاتا رہا کہ عنقریب یہ مجموعہ ارباب سخن کے سامنے آجائیگا، لیکن اسی کے ساتھ یہ فکر بھی دامنگیر تھی کہ آخر امید موہوم پر تشنگان ذوق کو کب تک ٹالا جا سکتا ہے، ایک طرف اپنے وعدہ کی خلاف ورزی کا خیال تھا اور دوسری طرف کچھ ایسے اسباب درپیش تھے جو اس ارادہ کی تکمیل مین مانع ہوتے تھے، غرض اسی کشمکش مین اتنی طویل مدت گذر گئی، لیکن خوش نصیبی سے ادھر کچھ ایسے موافق حالات وجود مین آگئے، جنکی وجہ سے اس خیال کہن نے دفعتہً عملی شکل اختیار کر لی، اور جو کام باوجود متعدد سالون کی مسلسل جد و جہد کے درجۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا تھا، وہ چند مہینون مین خوبی کے ساتھ انجام پا گیا، چنانچہ ہم آج نہایت مسرت کیساتھ

حضرت اصغر کا یہ مختصر مجموعۂ کلام ارباب سخن کی خدمت مین پیش [illegible] ہین
[illegible] امید کرتے ہین کہ وه اِن جواہر پارونکو پوری قدر و عزت کی نگاه سے دیکھین گے
اور ہماری یہ سعی ناچیز مشکور ہو گی،

حضرت اصغر کا کلام اس پایہ کا ہے کہ اس محاسن گوناگون کو کافی طور پر بے نقاب کرنے کے لئے ایک تفصیلی تبصره کی ضرورت ہے، مین نے اپنے مقدمہ مین جو کچھ لکھا ہے وه صرف ایک سرسری نظر ہے عجلت اور عدیم الفرصتی کی وجہ سے نہ تو صحیح طور پر عنوانات قایم کر سکا اور نہ انکی تحت مین جو اشعار تھے انپر کافی طور پر نقد و بحث کا موقع مل سکا، علاوه اس کے میری نظر مین اتنی وسعت و بصیرت بھی نہین کہ انکے حکیمانہ خیالات کی کافی طور پر داد دے سکون، لیکن مجھکو نہایت مسرت ہے کہ میرے عزیز دوست جناب مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم، اے، ال، ال بی (علیگ) نے اس کمی کی نہایت خوبی کے ساتھ ایک حد تک تلافی کر دی ہے، چنانچہ ناظرین تفصیلی ریویو کے لئے انکا تبصره ملاحظہ فرمائین جو میرے مقدمہ کے بعد اس مجموعہ مین درج ہے

مولوی اقبال احمد صاحب ایک مدت سے تمام علمی اور ادبی مشاغل سے کناره کش ہو کر سرگرم وکالت ہین مضمون نگاری تو درکنار شاعری سے بھی اک گونہ بے تعلق ہو گئے ہین تاہم باوجود ان حالات کے ہمارے لایق دوست نے جس لطافت اور دقت نظر کیساتھ حضرت [illegible] کے کلام پر تبصره کیا ہے وه حقیقت مین داد کے قابل ہے، اقبال صاحب نے تبصره کی افتتاحی

[illegible] مین، کچھ اپنی بے بضاعتی کا اظہار کیا ہے، اور یہ یقین دلایا ہے، کہ یہ اعتراف کسرِ نفس پر نہین بلکہ حقیقت پر مبنی ہے، لیکن مین ناظرین کو یقین دلانا چاہتا ہون، کہ یہ صرف انکا کسرِ نفس ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جہان تک صحت ذوق اور قوت نقد کا تعلق ہے اردو ادب ان کے وجود پر بجا طور پر فخر کرسکتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ انکی یہ لطیف قوتین اب صرف زور وکالت پر ضائع ہو رہی ہین،

آخر مین ہم جناب سید مقبول حسین صاحب وصل بلگرامی کے بھی شکرگذار ہین، جنھون نے تصویرون کی طباعت کی زحمت خاص طور پر گوارا فرمائی،

مرزا احسان احمد

ا

مقدمہ

عمریست کہ افسانۂ منصور کہن شد　　من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

اردو کی موجودہ بزم سخن جن چند مخصوص ارباب کمال کی ذات پر بجا طور پر فخر کر سکتی ہے، اون میں ایک یہ یگانۂ فن بھی ہے جس کی نازک خیالیاں درد آشنا قلوب کو ہمیشہ تڑپاتی رہینگی،

حضرت اصغر شاعرانہ حیثیت سے بالکل غیر معروف نہیں ہیں، اونکی نظمیں اکثر جرائد ادبیہ میں شائع ہوتی رہی ہیں، جنکی وجہ سے وہ مخصوص ادبی حلقوں میں کافی طور پر روشناس ہیں، لیکن عام ادبی دنیا اب تک اونکی حقیقی شاعرانہ عظمت سے نا آشنا ہے، اس بنا پر جب حضرت جگر کے دیوان کی ترتیب و اشاعت کے دوران میں مجھکو ان کا کچھ کلام ہاتھ آیا، تو اسی وقت سے میرا یہ ارادہ تھا

کہ "بزم ادب" کی طرف سے ایک منتخب مجموعہ ارباب سخن کی خدمت مین
پیش کیا جائے، چنانچہ تمہید کے طور پر میں نے دسمبر ۱۹۲۱ء کے علی گڑھ میگزین
میں "کلام اصغر" کے عنوان سے ایک مختصر سی تنقید لکھی تھی، جسمیں میں نے وعدہ
کیا تھا کہ عنقریب جناب اصغر کا کلام معہ اُن کے ذاتی حالات کے ارباب
ذوق کی خدمت میں پیش کرونگا، لیکن افسوس ہے کہ متعدد اسباب کی وجہ سے
اتنی مدت تک مجھ کو ساکت رہنا پڑا، لیکن اس خیال سے بالکل غافل نہیں رہا،
چنانچہ اس اثنا میں وقتاً فوقتاً جو کلام اخبارات ورسائل میں نظر پڑا، جمع کرتا
رہا، بلکہ اسی ضرورت سے ایک بار حضرت اصغر کی خدمت میں گونڈہ بھی
گیا، لیکن اس جہاد کا کوئی معتد بہ نتیجہ نہ نکلا، چنانچہ وہاں پہنچکر معلوم ہوا، کہ
ایک پوری بیاض کہیں ضائع ہو گئی، ابتدائی کلام بھی کہیں محفوظ نہیں، غرض
مجھکو جناب اصغر سے خود کوئی معتد بہ مدد نہ ملی، بلکہ ان کی اس شان بے نیازی
پر افسوس ہوا کہ کیا کیا جواہر پارے رہے ہوں گے، جنکی حیات افروز تجلّی سے
ارباب نظر کی نگاہیں ہمیشہ کے لیے محروم رہ گئیں،

بہر حال حضرت جگر کی وساطت سے مجھکو حضرت اصغر کا تھوڑا سا کلام شروع
ہی میں مل گیا تھا، پھر میں نے خود اخبارات ورسائل سے لیکر کچھ جمع کیا، گو

اس مجموعہ میں اشعار کی تعداد کم ہے، تاہم اس خیال سے، کہ اوّل تو آجکل ضخیم دیوان وکلّیات شائع کرنا یوں بھی کچھ ضروری نہیں رہا، دوسرے اگر اتنا کلام بھی تو بے پروائی کی نذر رہا تو بعید نہیں، کہ یہ قابل قدر ذخیرہ بھی اردو شاعری کے دامن سے ہمیشہ کے لیے جاتا رہے، میں نے ارادہ کر لیا، کہ بلا کسی آئندہ تعویق و انتظار کے جو کچھ سرمایہ مرتب ہو گیا ہے، ارباب ذوق کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، لیکن افسوس ہے کہ عجلت کی وجہ سے اس مجموعہ کی ترتیب و اشاعت میں کچھ فروگذاشتیں رہ گئیں، مثلاً چھپنے کے وقت متعدد غزلوں میں اکثر اشعار درج ہونے سے رہ گئے تھے جنکا شائع ہونا ضروری تھا، اگرچہ غزل کے سلسلہ میں ان اشعار کا کچھ اور ہی لطف ہوتا، تاہم محض تلافی کے خیال سے وہ باقی ماندہ اشعار کتاب کے آخر میں متفرقات کے تحت میں درج کر دیئے گئے ہیں۔ علاوہ اس کے ممکن ہے، کہ عجلت میں کچھ اور اشعار بھی چھوٹ گئے ہوں، جو شائع ہونے کے قابل رہے ہوں، اسلیے میں اس قسم کی فروگذاشتوں کے لیئے علاوہ ناظرین کے خود اپنے لائق دوست سے بھی معذرت خواہ ہوں۔

میں نے غزلیات کی ترتیب عمداً ردیف وار نہیں رکھی، کیونکہ یہ صرف عام روش کا اتباع تھا، بلکہ جہانتک ممکن ہوسکا، میں نے ترتیب غزلیات

میں زیادہ تر زمانہ کا لحاظ رکھا ہے تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ ابتدا میں کلام کا کیا رنگ تھا، اور رفتہ رفتہ کیا ترقی ہوتی گئی، اس قسم کی ترتیب سے شاعر کے ارتقائے تدریجی کا کافی طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے جو ردیف وار ترتیب کی صورت میں ممکن نہیں،

ذاتی حالات حضرت اصغر کا اصلی وطن گورکھپور کے ضلع میں ہے، لیکن ایک مدت سے مستقل طور پر گونڈہ میں مقیم ہیں، جہاں ان کے والد ایک مدت سے قانون گو کے عہدے پر مامور تھے، لیکن اب پنشن پاتے ہیں، اصلی نام اصغر حسین ہے، اور اصغر تخلص ہے، یکم مارچ ۱۸۸۴ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم و تربیت معمولی اور غیر مستقل طور پر ہوئی، کچھ دنوں انگریزی مدرسہ میں تعلیم پا کر چھوڑ دیا، انٹرنس کے امتحان کے لیے تیاری کی، لیکن خانگی پریشانیوں کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے تاہم اس تھوڑی سی مدت میں فطری صلاحیت کی وجہ سے اتنی استعداد پیدا ہو گئی، کہ انگریزی کی ادبی کتابوں کا کافی لطف اٹھا سکتے ہیں، یہی حال عربی اور فارسی کا ہے، جو کچھ قابلیت پیدا کی ہے وہ صرف ان کے ذاتی مطالعۂ کتب اور غور و فکر کا نتیجہ ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ ایک صحیح الفطرت شخص کو خارجی وسائل کی رہنمائی کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے، خود اس کی فطرت کی تجلی اس کے

دل و دماغ کو منور کرتی رہتی ہے، چنانچہ باوجود اس کے کہ حضرت اصغر نے باقاعدہ طور پر علوم و فنون کی تحصیل نہیں کی، اُن کی نظر میں علمی اور ادبی حیثیت سے جو وسعت اور لطافت ہے، وہ قابلِ رشک ہے،

شاعری میں بھی حضرت اصغر نے کسی کے سامنے مستقل طور پر زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا، ابتدا میں کچھ دنوں منشی خلیل احمد وجد بلگرامی کو اپنا کلام دکھاتے رہے آخر میں کچھ غزلیں منشی امیر اللہ تسلیم کو دکھلائیں، اس کے بعد سلسلہ بند ہوگیا، اور حقیقت یہ ہے، کہ اس قسم کی استادی و شاگردی محض رسمی ہوتی ہے شاعر کا اصلی راہبر اس کا ذوق صحیح اور وجدان سلیم ہے، جو رفتہ رفتہ اس کو صراطِ مستقیم پر ڈال دیتا ہے،

اخلاقی حیثیت سے حضرت اصغر ایک نہایت قابل قدر ہستی ہیں، باوجود زہد و تقویٰ کے مزاج میں رنگینی اور ظرافت کا عنصر بہت زیادہ موجود ہے، باوجود تصوف کے بھی خاص طور پر ذوق شناس ہیں، چنانچہ اُن کو ایک عرصہ سے حضرت قاضی شاہ عبد الغنی صاحب مدظلہ العالی منگلور شریف سہارنپور سے شرفِ بیعت حاصل ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت اصغر کے کلام میں جو سوز و گداز ہے، وہ اسی وادیٔ ایمن کی شرر باریاں ہیں، لیکن باوجود

لذت شناس تصوف ہونے کے حضرت اصغر دنیا دی تعلقات سے آزاد نہیں ہیں، چنانچہ گونڈہ میں اُن کا ایک چشمہ کا مستقل کارخانہ ہے، جو ایک مدت سے کام کر رہا ہے،

زمانہ کی ناقدری دیکھو! ایک شخص جو روح انسانی کی حسیات مخفیہ کا کیف شناس ہے، جسکی زبان وقلم کا ایک ایک حرف اردو ادب کے لیے لعل وگوہر سے زیادہ گراں ارز ہے، جس کی تراوش افکار تشنگان ذوق کے لیے آب حیات کا اثر رکھتی ہے، گردش روزگار نے اس کو چشمہ سازی کے کام پر مامور کر رکھا ہے،!!

اس وقت ملک میں اردو لٹریچر کی توسیع وترقی کے لیے مختلف قسم کی مرکزی انجمنیں قائم ہیں لیکن افسوس ہے، کہ اب تک اُن کا چمنستان اُمید حضرت اصغر جیسے ارباب فضل وکمال کے رشحات کرم سے محروم ہے، ہمارے لائق دوست کی شان بے نیازی کو شاید اس ناقدر شناسی کی پروا نہ ہو، لیکن ہم کو افسوس ضرور ہے، کہ زمانہ کی سرد مہری اور بے اعتنائی کی وجہ سے دنیا آئندہ اس جوہر قابل کی ادبی لطافت ریزیوں سے محروم ہوئی جاتی ہے،

خصوصیاتِ شاعری | حضرت اصغر موجودہ زمانہ میں ایک ممتاز شاعرانہ حیثیت رکھتے ہیں، غزل گو شعرا پر ایک خاص اعتراض یہ ہے، کہ اُن میں مسلسل نظم نگاری کی صلاحیت نہیں ہوتی، لیکن حضرت اصغر اس الزام سے بری ہیں، وہ مخصوص کیفیات پر نہایت خوبی اور لطافت کے ساتھ مسلسل نظمیں لکھ سکتے ہیں، جس کا اندازہ صاحبِ ذوق اس مجموعہ کی ابتدائی نظموں سے کافی طور پر کر سکتا ہے، لیکن چونکہ وہ ازل سے دردمند دل لیکر آئے تھے، اس لیے انھوں نے اپنا خاص موضوعِ سخن تغزل ہی کو قرار دیا، جو فطرت انسانی کا سب سے زیادہ نازک اور لطیف جذبہ ہے، اگرچہ تغزل پر اس کثرت سے طبع آزمائیاں کیجا چکی ہیں کہ اب اُن پر کوئی معتد بہ اضافہ مشکل معلوم ہوتا ہے تاہم حضرت اصغر کے خامۂ رنگین نگار نے اس نقشِ کہن میں وہ آب و رنگ بھر دیا ہے کہ اربابِ ذوق کی نگاہیں روشن ہو جاتی ہیں،

فلسفہ و حکمت | حضرت اصغر کو قدرت کی طرف سے ایک نکتہ رس اور بلاغت شناس دماغ عطا ہوا ہے، اس لیے اُن کی نظر عامیانہ جذبات کی سطح سے گذر کر روحِ انسانی کے اُن لطیف حقائق و معارف تک پہنچتی ہے

جو در اصل عشقیہ شاعری کی جان ہیں، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں،

کیا دردِ ہجر اور کیا لذتِ وصال　　　　اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے

یہ صرف شاعرانہ تعلی نہیں ہے، بلکہ انصاف سے دیکھو، تو اس کا ایک ایک حرف حقیقت سے لبریز ہے، آجکل ملک میں فلسفہ گوئی کا ایک عام مذاق پھیلا ہوا ہے، لیکن حالت یہ ہے، کہ شعر پڑھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مولوی منغلق الفاظ میں وعظ کہہ رہا ہے، حالانکہ شاعر کو یہ کبھی بھولنا نہیں چاہیے کہ وہ شاعر ہے فلسفی نہیں ہے، اگر اس کے اندازِ بیان میں شاعرانہ رنگینی اور لطافت نہیں ہے، تو اس کا تمام درسِ حکمت محض بیکار ہے، پھر اس میں اور ایک مولوی میں کیا فرق رہجاتا ہے؟ اس کا اصلی طغرائے امتیاز یہی ہے، کہ وہ دقیق سے دقیق، خشک سے خشک مسائل کو اس رنگین پیرایے میں ادا کرتا ہے، کہ سامع پر ایک نشہ سا چھا جاتا ہے، حضرت اصغر کی امتیازی خصوصیت یہی ہے، کہ وہ حقائق نگاری کے ساتھ ساتھ شاعرانہ اندازِ بیان کی لطافت اور دلآویزی ہمیشہ ملحوظ خاطر رکھتے ہیں، محض خشک الفاظ میں فلسفہ لکھدینا آسان ہے، لیکن فلسفہ کے ساتھ ساتھ شعریت کا لحاظ رکھنا ہر شخص کا کام نہیں، اس نازک فرض سے وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا ہے، جو حکیم بھی

ہو اور شاعر بھی، حضرت اصغر دونوں حیثیتوں کے جامع ہیں، اسلیے وہ عام شاہراہ سے الگ ہو کر اکثر حکیمانہ خیالات کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اس طرح کہ شعریت کو کہیں صدمہ پہنچنے نہیں پاتا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

علم و عرفاں کا تقاضا ہے، کہ عالم کائنات اور اس کے مشاہد و مظاہر کو صرف ایک سراب بے بود تصور کر لیا جائے، ظاہر ہے کہ ایک حقیقت شناس نگاہ اس شاہد مادیت کی فریب کاریوں سے متاثر نہیں ہو سکتی چنانچہ غالب نے جب یہ کہا

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسدؔ عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

تو یہ در اصل اسی بادۂ علم و عرفاں کا نشہ تھا، لیکن فریب شہود کو فریب شہود سمجھ کر اسکی طلسم کاریوں کے سامنے سر عقیدت خم کر دینا در اصل "بساط آرائے شہود" کے منشا کی تعمیل ہے، جو یقیناً علم و عرفاں سے ایک بلند تر مقام ہے، کیونکہ عالم موجودات کو فریب محض سمجھکر اس سے کنارہ کش ہو جانا مشیت ایزدی کے خلاف علم نافرمانی بلند کرنا ہے، بزم شہود فریب ہی سہی، لیکن اس فریب میں مبتلا ہی ہو جانا عین منشائے قدرت کی اطاعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جلوہ گاہ حقیقت کے محرمان خاص باوجود اس کے کہ ان کو دنیا کی بے ثباتی کا

یقین کامل تھا، رزمگاہِ حیات میں ہمیشہ سرگرم عمل نظر آتے ہیں، اس بنا پر یہ مقامِ جہل یعنی فریب شہود کا دلدادہ بنجانا علم و عرفان سے کہیں بلند تر ہے،

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے میں بے خبر ہوں باندازۂ فریبِ شہود

غور کرو، یہ کسقدر دقیق فلسفیانہ نکتہ ہے جسمیں شعریت پیدا کرنا کچھ آسان کام نہ تھا، چنانچہ جہاں تک پہلے مصرعہ کا تعلق ہے، انداز بیان خالص فلسفیانہ ہے، اور اگر مصرعہ ثانی کا بھی یہی رنگ ہوتا، تو وہ کسی تصوف و حکمت کی کتاب کی کوئی سطر زریں ضرور بنجاتا، لیکن شعر کہلائے جانے کا مستحق نہ ہوتا، لیکن غور کرو کہ "باندازۂ فریب شہود"، کے ٹکڑے نے انداز بیاں میں کسقدر شعریت پیدا کردی ہے، اور شعریت کے ساتھ ساتھ اسکی معنویت بھی کس حد تک بلند اور روشن کردی ہے، چنانچہ یہ ٹکڑہ اگر موجود نہ ہوتا، تو معنوی لحاظ سے شعر میں کوئی خاص لطافت اور بلندی پیدا نہ ہوتی،

ذوقِ جستجو خود ایک حجاب ہے، چنانچہ انسان ایک راز کھولنے کی کوشش کرتا ہے، تو دوسرا راز سامنے آجاتا ہے، غرض جب تک وہ اس جد و جہد میں مصروف رہتا ہے حقیقت اسکی نگاہوں سے مخفی رہتی ہے، لیکن جب اُسپر بیخودی طاری ہو جاتی ہے، تو یہ حجاب جستجو دفعتہً اُٹھ جاتا ہے، اور جمال

حقیقت نظر آنے لگتا ہے،

جسپہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب ۔۔۔ بیخودی نے اب سے محسوس و عریاں کر دیا

اسی خیال کو ایک دوسری جگہ نہایت لطیف پیرایہ میں ادا کیا ہے،

خستگی نے کر دیا اسکو رگِ جاں سے قریب ۔۔۔ جستجو ظالم کہے جاتی تھی منزل دور ہے

حسن ایک غیر محدود شے ہے جسکی تجلّی جہت و مقام کی بندشوں سے آزاد ہے، اسلیے اس کا ذوقِ مشاہدہ متقاضی ہے کہ ظاہر و باطن کے قیود باقی نہ رہیں،

بیچ حسن تعیُّن سے ظاہر ہو کہ باطن ہو ۔۔۔ یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے

اکثر انسان میں مخصوص صلاحیتیں ہوتی ہیں، جو مخفی اور غیر محسوس رہتی ہیں، لیکن جب کوئی خارجی اثر محرک ہوتا ہے، تو وہ دفعتہً چمک اٹھتی ہیں، دیکھو اس نکتہ کو کس شاعرانہ انداز کے ساتھ ادا کرتے ہیں،

ایسا بھی ایک جلوہ تھا اسمیں چھپا ہوا ۔۔۔ اُس رخ پہ دیکھتا ہوں آئینہ نظر کو میں

یعنی جبتک رخِ رنگیں کے پرتو سے نظر فیضیاب نہیں ہوئی تھی، اسوقت تک اسکی معجزنمائیوں کا احساس نہ تھا،

ایک ہی ہستی مختلف مقامات پر استعداد محل کے اعتبار سے مختلف ناموں

سے تعبیر کیجاتی ہے،

کہیں ہے عشق کہیں ہے کشش کہیں حرکت — بھرا ہے خامۂ فطرت میں رنگ فتنہ گری

غور کرو ثانی مصرع کی طرز ادا نے شعر میں کسقدر لطافت اور دل آویزی پیدا کر دی ہے،

کائنات اور اس کے مظاہر عدم محض ہیں حقیقی وجود صرف جمال الٰہی کا ہے، بقیہ جو کچھ نظر آتا ہے سب اسی کا عکس ہے، فی نفسہ اسکی کوئی حقیقت نہیں، اس لطیف نکتہ کو حضرت اصغر ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

اک قطرۂ شبنم پر خورشید ہے عکس آرا — یہ نیستی و ہستی افسانہ ہے افسانہ

دیکھو قطرۂ شبنم کی ترکیب نے علاوہ شعریت کے "عدم محض" کی تخئیل کو کس خوبی کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے، !

مستقل جلوہ صرف ذات مطلق کا ہے، بقیہ مشاہد و مناظر صفات کی نیرنگیوں کے کرشمے ہیں،

تو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے — فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے

ان اشعار سے تم بخوبی اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت اصغر کی نکتہ رس نگاہ اسرار و معارف کی کس حد تک اداشناس ہے؟ اس قسم کے اکثر اشعار اس مجموعہ

مین موجود ہیں، جنسے اُن کے کلام کی معنوی لطافت ریزیوں کا کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ طوالت کے لحاظ سے اُن کو قلم انداز کرنا پڑتا ہے،

لطافت خیال حضرت اصغر کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت خیالات کی پاکیزگی اور اندازِ بیان کی لطافت اور جدت ہے، وہ ہمیشہ بلند اور لطیف جذبات واحساسات کی مصوری کرتے ہیں، جہاں تک عام نگاہیں پہنچنے سے قاصر ہیں، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

عام خیال ہے، کہ عاشق کی وارفتگی و سرمستی جلوۂ حسن کے دیدار کا فیضِ اثر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ادائے حسن کا نظارہ ناممکن ہے، کیونکہ جب ہوش ہی قائم نہیں رہتا تو شعاعِ جمال کی جلوہ ریزیوں سے کوئی کیونکر کیف اندوز ہو سکتا ہے، جو کچھ دل و دماغ پر سرمستانہ کیفیت طاری ہے، وہ صرف عشق ہی کی تاثیرِ مخفیہ کا نتیجہ ہے، اس لطیف نکتہ کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

سب ہے ادائے بیخودی ورنہ ادائے حسن کیا ہوش کا جب گذر نہیں اسکی حریم ناز میں

چشمِ ساقی کے اشاروں پر مختلف طریقوں سے طبع آزمائیاں کیگئی ہیں، لیکن جس لطافت تک حضرت اصغر کی نکتہ رس نگاہ پہنچی ہے، اسکی مثال

مشکل سے ملسکتی ہے،

بہت لطیف اشارے تھے چشم ساقی کے ۔۔۔ نہ میں ہوا کبھی بیخود نہ ہوشیار ہوا،

کیا اس سے زیادہ اور کوئی لطیف پہلو دماغ میں آسکتا ہے؟

گریباں محض وحشت کا پردہ نہیں ہے، بلکہ خود حسن کا پردۂ راز ہے، جس کا چاک کرنا گویا خود لیلائے حسن کو بے نقاب کرنا ہے، اسلیے گریباں چاک ہوتے وقت ایک نکتہ رس عاشق کا دل کانپ اٹھتا ہے، کہ یہ حقیقت میں خود حسن کی پردہ دری ہے،

غضب ہوا کہ گریباں ہی چاک ہونے کو ۔۔۔ تمھارے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری

یاس وناامیدی عام شعرا کے لیے پیام موت ہے، لیکن اہل نظر کے لیے یہی سرمایہ حیات ہے، کیونکہ یاس وناکامی کے ساتھ جلوۂ محبوب کی جھلک بھی پیش نظر رہتی ہے، اس لطیف نکتہ کو حضرت اصغر یوں ادا کرتے ہیں،

سرمایۂ حیات ہے حرمان عاشقی ۔۔۔ ہے ساتھ ایک صورت زیبا لیے ہوئے

حسن یار کی تجلی اگر کرمفرمانہ ہو، تو نگاہ شوق میں ذوق مشاہدہ کی استعداد پیدا نہیں ہوسکتی،

نگاہ شوق کو یارائے سیر دیدنہ ہو ۔۔۔ جو ساتھ ساتھ تجلی حسن یار نہ ہو

حسن دراصل کوئی مستقل وجود نہیں، صرف نگاہِ شوق کی رنگینیوں کا پرتوِ جمال ہے،

ستم جو چاہے کرے مجھپہ عکس ذوق نظر
بساطِ آئینۂ حسن خودنما معلوم

زندگی صرف ذوق طلب اور اضطراب پیہم کا نام ہے، اسلیے ایک زندہ روح کو سکونِ وصل میں کوئی لطف محسوس نہیں ہوسکتا،

آغوش میں ساحل کے کیا لطف سکوں اسکو
یہ جان ازل ہی سے پروردۂ طوفاں ہے

عشق کی ناکامیاں دراصل زندگی کا حاصل ہیں، اسلیے زندگی کا جو حصہ ناکامیوں میں گذرتا ہے، وہ بیکار نہیں ہوتا،

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے
جو عمر رائگاں ہے وہی رائگاں نہیں

حسن خود عشق سے ہم آغوش ہونے کے لیے مضطرب ہے، ورنہ خود عشق میں اتنی بلند پروازی کہاں کہ وہ حریم حسن میں باریاب ہو سکے،

شعاع مہر خود دیتا ہے جذب محبت سے
حقیقت ورنہ سب معلوم ہے پرواز شبنم کی

عام مذاق کے نزدیک درد وغم کا مقصود وصل محبوب ہے، لیکن ایک بیدار دل کے لیے درد وغم کا حاصل صرف اسکی ابدی لذت ہے، اسلیے وہ تاثیرِ آہ کا متلاشی نہیں، وہ صرف آہ اسلیے کرتا ہے کہ خود اسمیں ایک کیف پنہاں ہے۔

بہائے درد والم دردوغم کی لذت ہے وہ ننگ عشق ہی جو آہ ہو اثر کے لیے

ان اشعار سے تم کافی طور پر اندازہ کر سکتے ہو کہ حضرت اصغر کے دل و دماغ میں کس حد تک لطافت اور پاکیزگی کا عنصر موجود ہے اس قسم کے اور لطیف اشعار بھی بکثرت حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، لیکن طوالت کے لحاظ سے اون کو قلم انداز کرنا پڑتا ہے، چند اشعار اور ملاحظہ ہون،

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے

پھر گئی آنکھوں کے نیچے وہ ادائے برقِ حسن چیخ اُٹھے سب مرا چاک گریباں دیکھکر

رکھدیئے دیر و حرم سر مارنیکے واسطے بندگی کو بے نیازِ کفر و ایماں کر دیا

چاہا جہاں سے منظرِ فطرت بدل دیا ہے کل جہاں تابع فرمانِ آرزو

ندرت ادا | لطافتِ خیال کے علاوہ ایک کامل الفن شاعر کے لیے اندازِ بیان کی ندرت اور جدت نہایت ضروری چیز ہے، بغیر اس کے اُنکی تمام جدت طرازیاں بالکل بیکار ہیں، اسلیے جو شعرا بلاغت شناس ہوتے ہیں، وہ ہمیشہ ایسا دلآویز پیرایۂ بیان اختیار کرتے ہیں، جسکی وجہ سے معمولی سا معمولی خیال بھی دلکش بنجاتا ہے، حضرت اصغر تاثیر شعری کے اس رمز لطیف سے بخوبی واقف ہیں، اسلیے وہ ہمیشہ طرز ادا کی ندرت کا خاص لحاظ رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے، کہ وہ معمولی بات بھی کہتے

ہیں، تو اس انداز سے کہ سننے والا وجد کرنے لگتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

آرزوئے دید کی وارفتگی کا مختلف طریقوں سے اظہار کیا گیا ہے، اور یہ ہمارے شعرا کا عام موضوعِ سخن ہے، لیکن دیکھو حضرت اصغر اتنے پامال جذبہ کو کس پُرکیف انداز کے ساتھ ادا کرتے ہیں،

تو برقِ حسن اور تجلّی سے یہ گریز ۔۔۔ میں خاک اور ذوقِ تماشا لیے ہوئے

حسنِ یار کے اشارہ ہائے چشم وابرو پر دیدۂ و دل کا نثار کرنا ہمارے شعرا کا شیوۂ عام ہے، جو اکثر ابتذال کی حد تک پہنچ جاتا ہے، لیکن حضرت اصغر کی لطافتِ ادا نے اس خیال میں جو نزاکت پیدا کر دی ہے، وہ اُن کے ندرتِ بیاں کی ایک روشن مثال ہے، ملاحظہ ہو،

مری نگاہوں نے جھک جھک کے کر دیئے سجدے ۔۔۔ جہاں جہاں سے تقاضائے حُسنِ یار ہوا

"جہاں جہاں" کے ٹکڑے نے شعر میں جو لطیف اور بلیغ پہلو پیدا کر دیا ہے، وہ محتاجِ اظہار نہیں،

معشوق کے جلووں کی معجز طرازیوں کی تصویریں ان الفاظ میں کھینچتے ہیں،

پرتوِ رُخ کے کرشمے تھے سرِ راہگذار ۔۔۔ ذرے جو خاک سے اُٹھے وہ صنم خانے بنے

محبوب کے نقشِ پا کی شوخی و رعنائی کی کیفیت کو اس دلکش پیرائے میں ادا

کرتے ہیں،

اس سے زیادہ اور کیا شوخئ نقش پا کہوں　　برق سی اک چمک گئی آج سر نیاز میں

اس قسم کے اشعار بکثرت حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جنسے کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس حد تک انداز بیان میں لطافت اور ندرت پیدا کرسکتے ہیں، افسوس ہے کہ طوالت کے لحاظ سے ہم ان پر تفصیلی نظر نہیں ڈال سکتے،

حضرت اصغر کے حسن ادا کا خاص راز انکا ذوق فارسیت ہے، غزل کی زبان اگرچہ جہاں تک ممکن ہو، سادہ، شیریں اور تکلف سے خالی ہونی چاہیئے، تاہم ایک لطیف طبع شاعر فارسی ترکیبوں کی نزاکت کو نظر انداز نہیں کرسکتا، لیکن اس موقع پر اس کا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جو فارسی ترکیبیں استعمال کیجائیں، وہ شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے خالی نہ ہوں، ورنہ کلام میں ثقالت اور پستی آجائے گی، حضرت اصغر فارسی ترکیبوں کے خاص طور پر دلدادہ ہیں، لیکن چونکہ نکتہ سنج ہیں، اسلیے ایسی لطیف ترکیبیں استعمال کرتے ہیں، جن سے شعر میں ایک خاص رعنائی اور دلکشی پیدا ہوجاتی ہے، مثلاً،

جو مجھ پہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم　　چمک رہا ہے مژہ پہ ستارۂ سحری

ستارۂ سحری سے قطرۂ اشک کی تشبیہ کسقدر لطافت میں ڈوبی ہوئی ہے،

پھر دل میں التفات ہوا انکے جاگزیں　　اک طرزِ خاص بخششِ بیجا لئے ہوئے

کرم کچھ آج ہے ساقی کا وہ طرب انگیز　　کہ جرعہ جرعہ ہے موجِ ترنمِ سحری

اس جوئبارِ حسن سے سیراب ہے فضا　　روکو نہ اپنی لغزشِ مستانہ وار کو

ہجومِ غم میں نہیں کوئی تیرہ بختوں کا　　کہاں ہے آج تو اے آفتابِ ہمنشینی

بلبلِ زار سے گو صحنِ چمن چھوٹ گیا　　اس کے سینے میں ہے اک شعلۂ گلفام ابھی

قلب پر اب تک تڑپتی ہے شعاعِ برقِ طور　　خون کے قطروں میں اب تک رقصِ منصوری ہے ابھی

اک شورشِ بے حاصل اک آتشِ بے پروا　　آتشکدۂ دل میں اب کفر نہ ایماں ہے

جانِ بلبل کا خزاں میں نہیں پرساں کوئی　　اب چمن میں نہ رہا شعلۂ عریاں کوئی

دل جلوہ گاہِ حسن بنا فیضِ عشق سے　　وہ داغ ہے، کہ شاہدِ رعنا کہیں جسے

اکثر رہا ہے حسنِ حقیقت بھی سامنے　　اک مستقل سرابِ تمنا کہیں جسے

خط کشیدہ ترکیبوں پر غور کرو، کسقدر شاعرانہ رنگینی اور نزاکت سے معمور ہیں، بلکہ وہی شعر کی جان ہیں، چنانچہ یہ ترکیبیں اگر نکال دیجائیں، تو شعر کی تمام لطافت برباد ہوجاتی ہے، اس قسم کی ترکیبیں تمکو اکثر حضرت اصغر کے کلام میں ملینگی جن سے شعر کا لطف دوبالا ہوجاتا ہے،

صفائی و برجستگی | اگرچہ حضرت اصغر پر ذوقِ فارسیت بہت زیادہ غالب ہے،

تاہم اُن کی زبان میں ایک خاص قسم کی صفائی اور برجستگی پائی جاتی ہے، یہ محض ایک ذوقی چیز ہے، جس کا اندازہ مثالوں سے ہو سکتا ہے، بطور نمونہ چند اشعار ملاحظہ ہوں،

موجِ نسیمِ صبح کے قربان جائیے — آئی ہے بوئے زلفِ معنبر لیے ہوئے

پہلی نظر بھی آپ کی اُف کس بلا کی تھی — ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پہ لیے ہوئے

رند جو ظرف اُٹھا لیں وہی ساغر بن جائے — جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

تقدیر کس کے خرمنِ ہستی کی کھل گئی — طوفان بجلیوں کا تمھاری نظر میں ہے

آئے تھے سبھی طرح کے جلوے مرے آگے — میں نے مگر اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

ہر اک جگہ تری برقِ نگاہ دوڑ گئی — غرض یہ ہے کہ کسی چیز کو قرار نہ ہو

اس کی نگاہِ ناز نے چھیڑا کچھ اس طرح — اب تک اچھل رہی ہے رگِ جانِ آرزو

دیکھو سادگی اور برجستگی کے ساتھ ان اشعار میں ایک خاص کیفیت بھی موجود ہے،

جوش و مستی حضرتِ اصغر کی شاعری کی ایک دوسری امتیازی خصوصیت جوش و مستی ہے، جس نے اُنکو تمام معاصرین سے علانیہ ممتاز کر دیا ہے، اور اس میں شبہہ نہیں کہ جہانتک جوش، رقص، اور مستی کا تعلق ہے، حضرتِ اصغر کو بجا طور پر اردو کا حافظ کہا جا سکتا ہے، حضرتِ اصغر فطرۃً نہایت شگفتہ مزاج، اور رنگین طبع واقع

ہوئے ہیں، علاوہ اس کے بادۂ تصوف کا نشہ بھی سر میں ہے، اسلیے اونکی ایک ایک ادا جوش محبت میں ڈوبی ہوئی ہے، یاس وحسرت، آہ وبکا، گریہ وزاری، فریاد وماتم کے پست اور بزدلانہ جذبات سے اُن کا نشاط آفریں، دل ودماغ قطعاً ناآشنا ہے، وہ اپنے پہلو میں ایک زندہ اور بیدار دل رکھتے ہیں، جو سرتاپا نشاط حیات سے مخمور ہے، اسلیے اونکی زبان سے جو حرف نکلتا ہی، کیف وسرور سے لبریز ہوتا ہے، اس کا اندازہ ذیل کے اشعار سے ہو سکتا ہی،

سرشک شوق کا وہ ایک قطرۂ ناچیز — اچھال ناتھا کہ اک بحر بے کنارہوا

بیخود دو جسم وجاں، مست زمین وآسماں — حسن نے دست ناز سے چھیڑ دیا ہی ساز عشق

انوار کی ریزش ہو، اسرار کی بارش ہو — ساغر کو جو ٹکرا دوں اس گنبد مینا سے

سرمستیوں میں شیشۂ مے لے کے ہاتھ میں — اتنا اچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے

ہی تیرے تصور سے یہاں نور کی بارش — یہ جان حزیں ہی کہ شبستان حرا ہے

مانا حریم ناز کا پایہ بلند ہے، — لیجائیگا اچھال کے درد جگر مجھے

وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں — سو حسن کروں پیدا ایک ایک تمنا سے

نہیں معلوم یہاں دار ورسن ہی کہ نہیں — خون میں گرمی ہنگامۂ منصور ہے آج

یہ دین، وہ دنیا ہی، یہ کعبہ، وہ بت خانہ — ایک اور قدم بڑھکر اے ہمت مردانہ

کچھ صبحِ ازل کی نہ خبر شامِ ابد کی — بیخود ہوں تہ سایۂ دامانِ محمدؐ

اب اس نگاہِ ناز سے ربطِ لطیف ہے — مجھکو دماغِ صحبتِ روحانیاں نہیں

بیدار ہوا منظر اس مست خرامی سے — غنچوں کی کھلی آنکھیں اُن کی ہوا آئی

نام اُن کا آگیا کہیں ہنگامِ باز پرس — ہم تھے کہ اڑ گئے صفِ محشر لیے ہوئے

کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمۂ رنگین — کہ فرطِ شوق سے جھومی ہے شاخِ آشیاں برسوں

ان اشعار کو پڑھو معلوم ہوتا ہے، کہ ایک رند سرمست ہے، جسکو زمین سے آسمان تک جوشِ مسرت سے لبریز نظر آتا ہے، اس قسم کے اور بھی اشعار حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جنسے اُن کے ولولۂ محبت کی سرمستیوں کا کافی طور پر اندازہ ہوتا ہے، لیکن طوالت کے خوف سے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہیں،

اردو کا تغزل باوجود گوناگوں اوصاف کے اب تک رقص و مستی کی کیفیت سے ناآشنا تھا، یعنی اب تک عام طور پر یاس و حسرت، فریاد و ماتم، آہ و فغاں وغیرہ بے کیف اور ولولہ شکن جذبات ادا کئے جاتے تھے، کیف و سرور کا عنصر تقریباً مفقود تھا، موجودہ زمانہ میں یہ فخر صرف حضرت اصغر کو حاصل ہے کہ انکی سحر طرازیوں نے غزل کے قدیم قالب بیجان میں رقص و مستی کی ایک جدید روح پھونکدی، اور لوگوں کو نظر آگیا کہ تغزل اگر فی الواقع تغزل ہے وہ کس حد تک

مضطرب قلوب کو متاثر کر سکتا ہے،

عشق نشاطِ روح کا سرچشمہ ہے، اسلیے غزل میں جو حسن و محبت کی رنگینیوں کا آئینہ ہے، بجز بلند لطیف، اور آتش فشاں جذبات کے فریاد و ماتم، یاس و غم کی گنجائش نہیں ہو سکتی، چنانچہ حضرت اصغر خود فرماتے ہیں، اور صحیح فرماتے ہیں،

غزل کیا اک شرارِ معنوی گردش میں ہے اصغر — یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد و ماتم کی

پھر فرماتے ہیں،

شعر میں رنگینیِ جوشِ تخیل چاہیئے — مجکو اصغر کم ہے عادت نالہ و فریاد کی

ایک شخص جسکو قدرت کی طرف سے احساس لطیف عطا ہوا ہے، جس کے دل و دماغ پر نشاطِ محبت کی رنگینیاں چھائی ہوئی ہیں، انصاف یہ ہے، کہ فریاد و ماتم اس کے بس کی بات نہیں، اور واقعہ یہ ہے، کہ اب اس شیوۂ کہن میں کوئی لطافت بھی نہیں رہی طبیعتیں فسردہ ہیں، اسلیے ان کو مشتعل کرنے کے لیے اب برق پاشی کی ضرورت ہے، چنانچہ حضرت اصغر اس آہ و فغاں سے تنگ آکر کہتے ہیں،

خروشِ آرزو ہو نغمۂ خاموشِ الفت بن — یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغانِ بلبل

کیا ہمارے شعراء کے قدیم ماتم کدوں سے اس نعرۂ مستانہ پر کوئی صدائے

لبیک بلند ہو سکتی ہے؟

علاوہ جوش و مستی کے حضرت اصغر کی نگاہیں حسن کی لطیف رنگینیوں کی بھی ادا شناس ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں،

لالہ و گل پہ جو ہے قطرۂ شبنم کی بہار ــــــ رُخ رنگیں پہ جو آئے تو حیا ہو جائے

رخ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی ــــــ شعاعیں کیا پڑیں نکہت نکھر آئی گلستاں کی

شاید مرے سوا کوئی اسکو سمجھ سکے ــــــ وہ ربط خاص رنجش بیجا کہیں جسے

اس عارض رنگیں پہ عالم وہ نگاہوں کا ــــــ معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی

پھر ان لبوں پہ موج تبسم ہوئی عیاں ــــــ سامان جوش رقص تمنا لیے ہوئے

حسن اشعار کی لطافت الفاظ کے بار گراں کی متحمل نہیں ہو سکتی، اس کا اندازہ صرف ذوق صحیح کر سکتا ہے،

شوخی ظرافت کا رنگ بھی ملاحظہ ہو،

زاہد نے مرا حاصل ایماں نہیں دیکھا ــــــ رُخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

عارض نازک پہ انکے رنگ سا کچھ آگیا ــــــ ان گلوں کو چھیڑ کر ہم نے گلستاں کر دیا

بکھری ہوئی ہو زلف بھی اس چشم مست پر ــــــ ہلکا سا ابر بھی سر میخانہ دیکھتے

پھر آج بزم عیش میں گئے جناب شیخ ــــــ وحشت نوائی غم فردا لیے ہوئے

دیکھو! اس موقع پر بھی حضرت اصغر لطافت اور سنجیدگی کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے

سوز و گداز | غزل کی ایک خاص خصوصیت سوز و گداز ہے، جس کے بغیر شعر میں تاثیر پیدا نہیں ہو سکتی، لیکن سوز و گداز آہ و بکا کا نام نہیں، جیسا کہ عام طور پر لوگوں نے سمجھ رکھا ہے بلکہ دل کی ایک لطیف دردمندانہ کیفیت کا نام ہے، جس کے اثر سے شاعر کا ایک ایک حرف لبریز ہوتا ہے، اس حیثیت سے حضرت اصغر کا اس وقت کوئی حریف نہیں، چونکہ علاوہ ایک نکتہ رس اور بلاغت شناس شاعر ہونے کے ذوق تصوّف کے بھی لذت شناس ہیں، اسلیے اُن کا سینہ سوز و گداز، درد و نیاز کا آتشکدہ ہے، چنانچہ خود کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں

میں سراپا ہوں تمنا ہمہ تن درد ہوں گویا ہر بن مو میں تڑپتا ہی مرے دل میرا

حقیقت یہ ہے کہ حضرت اصغر عشق و محبت کی ایک ایک منزل سے عملاً واقف ہیں، اسلیے وہ جن کیفیات کو ادا کرتے ہیں، وہ خود اُن کے درد آشنا قلب پر طاری ہوتی رہتی ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی زبان سے جو حرف نکلتا ہے، تاثیر میں ڈوبا ہوتا ہے، لیکن سوز و گداز میں بھی حضرت اصغر نے اپنی امتیازی خصوصیت کی شان قائم رکھی ہے، یعنی محض درد ہی درد نہیں ہے بلکہ اس میں ذوق محبت کی رنگینیاں بھی بھر دی ہیں، اور انصاف یہ ہے،

کہ جس رنگینی کے ساتھ حضرت اصغر نے پر گداز جذبات ادا کئے ہیں، اسکی مثال مشکل سے ملسکتی ہے، چنانچہ خود فرماتے ہیں،

غزل میں درد رنگیں تو نے اصغر بھر دیا ایسا | کہ اس میدان میں روتے رہیں گے نوحہ خواں ہو سو

یہ صرف شاعرانہ تعلّی نہیں ہے، بلکہ صاحب ذوق صاف طور پر محسوس کر سکتا ہے کہ حضرت اصغر نے تغزل کو شور و فغاں، فریاد و ماتم کی مبتذل داد سے پاک کر کے اس کو کس حد تک نشاط درد کی رنگینیوں سے معمور کر دیا ہے،

سوز و گداز درحقیقت ایک ذوقی چیز ہے، جس کا احساس وجدان سلیم سے وابستہ ہے، حضرت اصغر کا کلام اگرچہ سرتا پا گداز عشق کی لطیف کیفیت سے لبریز ہے، تاہم چند مثالیں ملاحظہ ہوں، جن سے ایک حد تک اندازہ ہو گا کہ وہ پر درد جذبات بھی کس رنگین انداز کے ساتھ ادا کر سکتے ہیں،

تو نے یہ اعجاز کیا اے سوز پنہاں کر دیا | اس طرح پھونکا کہ آخر جسم کو جاں کر دیا

مدت ہوئی کہ چشم تحیر کو ہے سکوت | اب جنبش نظر میں کوئی داستاں نہیں،

میری فغاں درد پہ اس سرو ناز کو | ایسا سکوت ہے، کہ تقاضا کہیں جسے

دیکھو معشوق کی جفاکیشی کو کس لطیف پیرائے میں ظاہر کیا ہے،

دل میں اک بوند لہو کی نہیں رونا کیسا | اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلستاں کوئی

غور کرو کسقدر رنگیں پیرایہ بیان ہے،

روانی رنگ لائی دیدۂ خونبابہ افشاں کی اترآئی ہو اک تصویر دامن پر گلستاں کی

اس حریم قدس میں کیا لفظ و معنی کا گذر پھر بھی سب باتیں پہنچتی ہیں لب فریاد کی

نغمۂ پرورد چھیڑا میں نے اس انداز سے خود بخود مجھ پر نظر پڑنے لگی صیاد کی

دل ہوا مجبور حسن دم اشک حسرت بنگیا روح جب تڑپی تو صورت بنگئی فریاد کی

مجھکو نہیں ہے تاب خلشہائے روزگار دل ہے نزاکت غم لیلا لیے ہوئے

افتادگان عشق نے سر اتبو رکھدیا اٹھیں گے بھی تو نقش کف پا لیے ہوئے

محبت کی وارفتگی کی کتنی پُرکیف مصوری ہے،

اک شعلہ اور شمع سے بڑھکر ہے رقص میں تم پھاڑ کر تو سینۂ پروانہ دیکھتے

سجدۂ شوق کی بیقرارانہ کیفیت کو ان الفاظ میں ادا کرتے ہیں،

کیجئے آج کس طرح دوڑ کے سجدۂ نیاز یہ بھی تو ہوش اب نہیں پاؤں کہاں ہے سر کہاں

خاک پروانے کی برباد نہ کر باد صبا یہی ممکن ہے کہ کلہ تک مرا افسانہ ہے

میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لیے ہوئے

مجھکو جلا کے گلشن ہستی نہ پھونکدے وہ آگ جو دبی ہوئی مجھ مشت پر میں ہے

خاک پر دانہ پر شعرا عام طور پر اشک حسرت بہاکر رہ جاتے ہیں لیکن حضرت

اصغر کی پر گداز نگاہوں کو اسی خاک ناچیز کے ذروں میں جمال شمع شبستانی کی تجلی رقص کرتی ہوئی نظر آتی ہے،

اک حسن کی دنیا ہے خاکستر پروانہ　　　انداز ہیں جذب اس میں سب شمع شبستاں کے

اس شعر کی نزاکت ادا پر ذوق رنگیں جسقدر ناز کرے، بجا ہے،

اس قسم کے پر گداز اشعار اکثر حضرت اصغر کے کلام میں موجود ہیں، جن کو پڑھکر یہ معلوم ہوتا ہے، کہ وادئ ایمن میں ثمر باریاں ہو رہی ہیں،

افسوس ہے، کہ طوالت کے لحاظ سے ہم حضرت اصغر کے کلام پر اس شرح و تفصیل کے ساتھ نقد و بحث نہ کر سکے جس کا درحقیقت وہ مستحق تھا، اور نہ عدیم الفرصتی کی وجہ سے ہم کو غور و فکر کا کافی موقع مل سکا، تاہم اس مختصر اظہار خیال سے ارباب ذوق کافی اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت اصغر شاعرانہ حیثیت سے کس حد تک عظمت و احترام کے مستحق ہیں،

میرا یہ دعویٰ نہیں، کہ حضرت اصغر کا کلام فرو گذاشتوں سے بالکل منزہ ہے، تاہم تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ اونکی لطافت آفرینیوں نے تغزل کے انداز قدیم میں رقص و سرور کا ایک نیا عالم پیدا کر دیا ہے، جو ابتک نگاہوں سے مخفی تھا، حضرت اصغر نہ کسی خاص صنف سخن کے موجد ہیں، اور نہ وہ دنیا میں کوئی پیام لیکر آئے ہیں، اور

اونکی لطافت روحانی مادیت کے گیرودار کی متحمل ہو سکتی ہو، اُنکی نگاہیں صرف اسی عالم قدس کے روح پرور مناظر کی اداشناس ہیں، جہاں بجز ایک لازوال تاثر ایک روح نواز ترنم، ایک ابدی لذت، ایک جاں فروز تجلی، ایک نشاط آفریں رقص، ایک دلگداز ذوق، ایک آتش فشاں وجد کے سوا اور کوئی سماں نظر نہیں آتا، اسلیے موجودہ مذاق جو عالم مادی کے حوادث وافکار کی مرقع نگاری کا دلدادہ ہو، ممکن ہو کہ حضرت اصغر کی اس لغزش مستانہ کے خیر مقدم کیلئے تیار نہ ہو، لیکن ذوق لطیف عشق و محبت کے ان اسرار رنگیں پر جو درحقیقت صحیفۂ شاعری کے ابدی نقوش ہیں، بغیر وجد کیے ہوئے نہیں رہ سکتا،

مرزا احسان احمد بی، اے، ال، ال، بی (علیگ)
اعظم گڈھ

۴ دسمبر ۱۹۲۵ء

تبصرہ

از

مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم، اے، ایل، ایل، بی ؏؏

نقد و تبصرہ اور وہ بھی فنون لطیفہ کے متعلق بجائے خود صحت ذوق کے علاوہ بہت کچھ دقت نظر اور وسعت معلومات کا محتاج ہے، تاثیر و تنقید دو مختلف شعبے ہیں جو ایک دوسرے سے بمراحل دور ہیں، بہت ممکن ہے کہ ایک نغمۂ دلکش میری روح پر رقص بہیم کی کیفیت پیدا کرے لیکن یہ ضروری نہیں کہ اس نغمہ کی تاثّر اور میری روح کے تاثر میں جو ربط معنوی ہے اس کے متعلق میں حکیمانہ اور فلسفیانہ نظر بھی رکھتا ہوں یا اس کے مخفی اسباب و علل کو الفاظ میں ظاہر کرنے پر بھی قادر ہوں، شاعری حقیقت میں حُسن مجرد کی اس مصوری کو کہتے ہیں جس میں لطیف موسیقی بھی شامل ہو، اور جب آج تک حُسن صوری کی تمام اداؤں اور نغمۂ مادی کی تمام کیفیات کیلئے زبان میں الفاظ نہیں ملتے اور یہ کہنا پڑتا ہے کہ "بسیار شیوہاست بتاں را کہ نام نیست" تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ حُسن معنوی اور نغمۂ روحانی یعنی شاعری جیسی ذوقی اور وجدانی چیز کی نسبت ہماری کیفیات نفسی کی تعبیر الفاظ میں کیجا سکے، اور وہ بھی جناب اصغر کی شاعری جس کا

ایک ایک حرف کمال شاعری کا دلکش ترین ترقع ہے، اسکی نسبت ناقدانہ حیثیت سے کچھ کہنا آسان کام نہیں ہے، مجھ میں اسقدر بصیرت نہیں ہے کہ میں ان کے کلام پر شایانِ شان تبصرہ کرسکوں، اور مجھکو بلا کسرِ نفس کے اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہے اور اس اعتراف حقیقت کو اپنے صحت ذوق کی دلیل سمجھتا ہوں، مگر اس کو کیا کیجئے کہ حریم محبت کے آداب دنیا کے عام رسم و آئین سے بالکل مختلف ہیں اور یہاں کسی ہدیہ نیاز کی گرانمایگی ورارزش متاع پر منحصر نہیں ہے بلکہ محض خلوص تہدیہ معیار رد و قبول ہے، اس بنا پر جن خیالات کا اظہار بسطور ذیل میں کیا گیا ہے وہ آستانۂ محبت پر محض ایک نذر اخلاص ہے،

قبل اس کے کہ جناب اصغر کے کلام پر کچھ گذارش کیجائے یہ ضروری ہے کہ نفس شاعری پر اجمالی حیثیت سے اپنے خیالات کا اظہار کردیا جائے، ممکن ہے کہ بعض اربابِ نظر میرے ہم آہنگ نہ ہوں لیکن کم سے کم میرا ازادیہ نگاہ نکتہ سنجوں کے پیش نظر ہو جائے گا اور آئندہ مجھے تصحیح خیال کا موقع ہوگا، فنونِ لطیفہ کی تقسیم چہارگانہ میں شاعری مسلمہ طور پر سب سے بلند تر ہے، اسکی وجہ محض اس قدر ہے کہ شاعری بقیہ اصناف کی جامع محاسن ہے، اُسکے علاوہ شاعری کے قلمرو میں حقائق و معارف اسرار و حکم کی غیر فانی دنیا بھی شامل ہے جہاں مصوری و موسیقی کو کوئی دسترس نہیں، مصور کا قلم صرف انھیں کیفیات نفسی کی تصویر کھینچ سکتا ہے جنکا اظہار عوارض جسمانی سے ممکن ہے لیکن شاعری کی نگاہ نفسِ انسانی کی ان

گہرائیوں تک پہنچتی ہے جہاں کیف و کم کی گنجائش نہیں ہے، ایک بت تراش کی تخئیل ابعاد ثلاثہ کے حدود سے متجاوز نہیں ہو سکتی مگر ایک شاعر کا تخیل عالم قدس تک پرواز کرتا ہے اور ایک نشۂ بے کیف اور معنی بے صورت کو پیکرِ خیالی دیکر آپ کے پیش نظر کر سکتا ہے، ایک مغنی اپنے ترانۂ جاں نواز سے صرف روح میں انبساط پیدا کر سکتا ہے مگر ایک شاعر اپنے ترنم سے نفس ناطقہ پر بھی عالم وجد و حال طاری کرنے کی قدرت رکھتا ہے، اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو شاعری کے عناصر حسب ذیل ہوں گے،

۱۔ موسیقی،

۲۔ بت تراشی یا ایجاد و تخلیق،

۳۔ مصوری،

۴۔ اسرار و معارف،

اگر شاعری ان ارکانِ اربعہ کی جامع ہے تو یہ معراج شاعری ہے لیکن کم سے کم ایک دو صفات لازمی ہیں ورنہ وہ شاعری نہیں کوئی اور چیز ہے،

موسیقی اصطلاحِ شاعری میں موسیقی اس کا نام ہے کہ جس کیفیت سے متاثر ہو کر شاعر کی زبان سے ایک شعر نکلتا ہے وہ اُن الفاظ میں ادا ہو جن کا تلفظ اور ترکیب باہمی اپنے نغمہ کے اعتبار سے معانی کی طرف رہبری کر سکے، مثلاً مولانا حالی نے جس موقع پر

ہندوستان کو مخاطب کرکے یہ مصرع لکھا ہے،

تو نے اے غارتگر اقوام و اکّال الامم

وہان "اکال الامم"، کی جگہ پر مشکل سے کوئی دوسرا لفظ مل سکتا تھا جس کے تلفظ سے اسی قدر بھیانک اور ڈراونی تصویر متخیلہ کے سامنے آجاتی، یا مثلاً "من کہ مستم کہ تا ابد بزیم" اور "در کیستم من کہ جاودان باشم"، دونون مصرعے بہ اعتبار ترکیب نحوی صحیح ہین، مگر انتخاب الفاظ اور شگفتگی ترکیب کی بنا پر دونون مین جو بعد المشرقین ہے، اس کو ہر صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے، روح کو نغمہ سے جو فطری مناسبت ہے اس سے کون انکار کرسکتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ جن شعراو نے الفاظ کے انتخاب اور ان کی ترکیب مین موسیقی اور ذوق صحیح کا لحاظ رکھا ہے وہ زندۂ جاوید ہین، دیوان حافظ کی اس عالمگیر اور ابدی مقبولیت کا راز کیا ہے؟ محض دروبست الفاظ اور شگفتگی ترکیب کا طلسم!! لیکن جہان شاعری کے لئے یہ عنصر سب سے زیادہ ضروری ہے، وہان سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ یہ چیز محض ذوقی ہے، اگر ایک شاعر بدو فطرت سے وجدان صحیح اور استعداد لطافت پسندی لیکر نہین آیا ہے تو سعی و اکتساب سے یہ بات حاصل نہین ہوسکتی اور نہ ذوق ادب کا یہ لطیف نکتہ منکر کو کسی استدلال سے منوایا جاسکتا ہے، نہ اس کے اصول و ضوابط مقرر کئے جاسکتے ہین، البتہ استقرائی چند باتین یہان گذارش کی جاسکتی ہین،

انتخاب الفاظ، انتخاب الفاظ مین ان امور کا لحاظ ضروری ہے، نامانوس نہ ہون،

پامال نہ ہوں، تلفظ مین دشواری نہ ہو، محل استعمال مین سوقیت نہ ہو، آواز کو معانی سے مناسبت ہو اگر سامع پر خود تنغص اور کراہت کی کیفیت پیدا کرنا مقصود نہین ہے تو ان اشیا یا افعال کے نام نہ ہون جن سے ذوق انسانی فطرتاً متنفر ہے یا جس کا اظہار انسان کا ملکۂ حیا گوارا نہین کرسکتا، اسی طرح علوم و فنون کی اصطلاحات یا اعضاء و جوارح کی تشریح بھی شاعری کی نزاکت گوارا نہین کرسکتی، مثلاً؛ میت جنازہ ناف، جذبات کشش ثقل وغیرہ،

ترکیبِ الفاظ (الف) الفاظ کی ترکیب باہمی مین اس امر کا لحاظ ضروری ہے، کہ ان کی حرکات و آواز ایک طرف تو کلیتاً باہم متضاد نہ ہون تاکہ تنافر نہ پیدا ہو اور دوسری جانب اس قدر یکسانی بھی نہ ہو کہ لطفِ تنوع جاتا رہے، بلکہ پستی و بلندی ہلکی و گرانی نرمی و نزاکت رقت و جزالت اس توازن و تناسب کے ساتھ باہمدگر دست و گریبان ہون کہ ایک کو دوسرے سے ممتاز کرنا دشوار ہو جائے جس طرح گلاب کی پنکھڑی مین یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ کہان رنگ ہلکا ہے اور کہان سے شوخی شروع ہوتی ہے، تاکہ بندش مین چستی کے ساتھ ایک لطیف انبساط بھی پیدا ہو جائے، اور شعر مین خرام جوئبار کی طرح ایک فطری گر معتدل روانی آجائے۔

(ب) حتی الوسع آغاز کسی ثقیل لفظ سے نہ ہو اور خاتمہ کسی منقطع اور بھدی آواز پر نہ کیا جائے مثلاً

لب گلبرگ کو موجِ صبا نے آکے چھیڑا جب

اس مصرع کے آخر مین جب کا تلفظ ذوق سامعہ کو اسی قدر گران گزرتا ہے جس طرح کہ رات کے سناٹے مین تالاب کے کسی اونچے کگارے سے کوئی کچھوا پانی مین آرہے،

(ج) حتی الوسع ترکیب مین ندرت ہو، مگر شگفتگی اور لطافت ہاتھ سے نہ جائے آج کل بعض حضرات نے غالب و اقبال کی تقلید مین جو عربی و فارسی کی غلط اور بے معنی ترکیبے درکے بصیرت لکھنا شروع کر دی ہین وہ اہل ذوق کیلئے بازاری محاورون سے زیادہ نفرت انگیز ہین

(د) محل استعمال ایسا نہ ہو کہ جس سے کوئی رکیک پہلو نکلتا ہو، کیونکہ اگرچہ براہ راست اس کا کوئی تعلق موسیقی سے نہین ہے مگر نکتہ سنج طبائع پر گران ہوتا ہے، اور موسیقی کی حلاوت مین بہت کچھ کمی پیدا ہو جاتی ہے،

(س) ہر حالت مین لطافت ذوق اور اعتدال صحیح کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، یہ نہو کہ زور بیان چیخ کی حد تک پہونچ جائے اشکوہ الفاظ طبل بلند بانگ کا مصداق بنجائے متانت و سنجیدگی، خشکی و پژمردگی کی مرادف ہو جائے اور رنگین بیانی نسائیت اور عریانی خیال کا رُوپ بھرے، شعر کا خطاب شریف ترین انسانی جذبات سے ہوتا ہے اس لئے شعر کی موسیقی بھی شریفانہ ہونی چاہئے، ارازل و اجلاف مین جس طرح کا گانا بجانا موسیقی سمجھا جاتا ہے سکا شایستہ جماعت کے لئے موجب انبساط ہونا تو درکنار تنغص و انقباض کا باعث ہوتا ہے،

یہان پر ایک اور نکتہ قابل گذارش ہے کہ جس طرح موسیقی کے اصناف مختلف ہین بیطرح شعر کی موسیقیت بھی جدا ہوتی ہے۔ زمزمۂ نشاط اور نالۂ ماتم دونون مین یکسان تاثیر کی قابلیت ہے، مگر تاثر سامع کی صلاحیت و استعداد پر مبنی ہے، البتہ چونکہ انسانی زندگی بجائے خود ایک داستان مصیبت ہے اور فطرت انسانی تنوع کی طالب ہے اس لئے عام طور پر داستان غم سے انسانی طبائع کو اس قدر دلچسپی نہین ہے جتنی ترانۂ مسرت سے ہوسکتی ہے، اور بہ اعتبار نتائج بھی نوحۂ ماتم فطرت انسانی کے لئے چندان مفید نہین ہے، کشاکش حیات مین زندہ رہنے کیلئے ہمکو رجز خوانون کی ضرورت ہے جو طبائع مین سعی و عمل کی روح پھونک سکین، دیوان حافظ کے دلنواز ترانے اور شاہنامۂ فردوسی کی رجز خوانیان آج کئی صدیان گذر جانے کے بعد بھی اسی وجہ سے زندہ ہین کہ خود انھین زندگی کی روح تھی اور آہ و فغان کی جگہ وجد و حال کی تعلیم ان کا مطمح نظر تھا،

خدا کا شکر ہے کہ جناب اصغر کی شاعری عام سطح سے بہت بلند ہے اور ان کے یہان ڈوبی ہوئی نبضین پتھرائی ہوئی آنکھین اور عالم نزع کی ہچکیان غرضکہ زندہ درگور شعرا کی بدمذاقیان کہین بھی نہین ہین، ان کی شاعری رقص معانی کی ایک جیتی جاگتی تصویر ہے، آنسو کا ایک ناچیز قطرہ انکے جوش طبیعت کے فیض سے کبھی ”ستارۂ سحری“ بنکر چمک اٹھتا ہے اور کبھی ”شوق کا بحر بے کنار“ بنجاتا ہے، اپنی شاعری کے متعلق خود انکی تنقید بہترین تنقید ہے فرماتے ہین،

غزل کیا اک شرار معنوی گردش مین ہے اصغر ۔۔۔ یہان افسوس گنجائش نہین فریاد و ماتم کی

جنبش ہوئی جو خامۂ رنگین نگار کو | اصغر نشاطِ روح کا اک کھل گیا چمن
اک موجِ نسیم آئی کیا باغ مصلیٰ سے | اشعار پہ اصغر کے ہے رقص رگِ جان مین

جناب اصغر کا ہر شعر بجائے خود اک نغمۂ پر کیف ہے جس کا اندازہ صرف اربابِ ذوق کر سکتے ہین ان کے کلام مین انتخاب دشوار ہے تاہم اِس عنوان کی ماتحت مثالاً حسب ذیل اشعار ملاحظہ طلب ہین ،

اللہ رے دیوانگئی شوق کا عالم | اک رقص مین ہر ذرۂ صحرا نظر آیا
تھا لطف جنون دیدۂ خونابہ فشان سے | پھولون سے بھرا دامنِ صحرا نظر آیا

موجِ نسیم صبح کے قربان جائیے | آئی ہی بوئے زلف معنبر لئے ہوئے
وہ اک سا دل و دماغ کی شادابی نشاط | گرنا چمک کے آہ تری برقِ نگاہ کا

سو بار جلا ہے تو یہ سو بار بنا ہے | ہم سوختہ جانون کا نشیمن بھی بلا ہے
پھر ان لبون پہ موجِ تبسم ہوئی عیان | سامانِ رقصِ جوشِ تمنا لئے ہوئے
مجھکو نہین ہے تاب خلش ہائے روزگار | دل ہے نزاکت غم لیلا لئے ہوئے

کوثر کی موج تھی تری ہر جنبش خرام | شاداب ہو گیا چمنستانِ آرزو
اس سے زیادہ اور کیا شوخیٔ نقشِ پا کہون | برق سی اک چمک گئی آج سرِ نیاز مین
جو مجھپہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھے ہمدم | چمک رہا ہے فرہ پر ستارۂ سحری

دلِ مبتلا و مائلِ تمکین اتقا　　　جامِ شراب نرگسِ رسوا لئے ہوئے

اس آخری شعر کے دونون مصرعون کا توازن خاص طور پر ملاحظہ طلب ہے۔ پہلے مصرعہ مین جس خیال کا اظہار کیا گیا ہے اس کا تقاضا تھا کہ الفاظ مین متانت اور سنجیدگی کے علاوہ ایک حد تک ثقل ہوتا کہ ایک زاہد خشک پر ابتدائی مراحل عشق مین کشاکش کی جو کیفیت ہوتی ہے اور جس طرح وہ اپنی ثقاہت سابقہ کو قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے اس کا اظہار خود ترکیب الفاظ سے ہو سکے لیکن دوسرے مین حسن کی زاہد فریب اور توبہ شکن ادائین دکھانی مقصود ہین اس لئے اس کا ہر ہر لفظ اپنے ترنم کے اعتبار سے کیف و سرمستی کا اک جام سرشار ہے۔

بت تراشی،

یا ایجاد و تخلیق۔ صنعت بت تراشی جن قوای ذہنیہ کی رہین منت ہے وہی جب دنیائے
شاعری مین برسر عمل ہوتے ہین تو اسے اصطلاح بلاغت مین بہ اعتبار فرق مدارج، ندرت بیان
ایجاد و طرز، اور خیال آفرینی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے جس طرح ایک بت تراش اولاً اپنے
متخیلہ مین ایک صورت قائم کرتا ہے اور پھر اسی پیکر خیالی کے مطابق ایک مجسمہ گھڑتا ہے اور مجسمہ
مین جس پہلو کو نمایان کرنا اس کا مقصود ہوتا ہے اسی کی مناسبت سے اس مجسمہ کا ایک ایک
حصہ تراشتا ہے، اکثر یہ بھی ہوتا ہے کہ مختلف صنف کائنات سے مختلف اجزا لیکر ایک نئی قسم کا
مخلوق گھڑ لیا جاتا ہے یا محض ایک مفہوم ذہنی اور کیفیت روحانی کو مجسم کر دیا جاتا ہے کبھی کبھی
ایک ہی موجود واقعی کے شیون مختلفہ اور حیثیات متضادہ کو مستقل طور پر علحدہ علحدہ نمایان کرنے
کے لیئے الگ الگ مجسمے بنائے جاتے ہین اور ہر بت تراش اس کی کوشش کرتا ہے کہ اس کی معلومات
مجازی بجائے خود مستقل ہون اور باوجود وحدت فکر دوسرے نمونہ ہائے صنعت کی کورانہ تقلید
نہ معلوم ہون، شاعر کی حالت بھی بجنسہٖ یہی ہوتی ہے، علم و ادراک، تفحص و استقرا، فکر و نظر سے
شاعر کے ذہن مین ایک خیال پیدا ہوتا ہے، خواہ کسی سبب خارجی یا داعیہ باطنی
کی تحریک سے اس پر کوئی کیفیت طاری ہوتی ہے اور وہ اپنی استعداد فکری کے تقاضا

سے اکثر اختیاری اور کبھی کبھی اضطراری طور پر اس خیال یا کیفیت کو نغمۂ موزون مین ظاہر کرتا ہے،

یہ خیال و کیفیت بہت شاذ طریقہ پر ممکن ہے کہ بالکل جدید ہو ورنہ عموماً وہی خیالات و واردات ہوتے ہین جو کسی نہ کسی صورت مین ادا کئے جا چکے ہین لیکن ایک شاعر اُسی پیش پا افتادہ خیال مین (۱) یا تو کچھ اضافہ کرکے داد ایجاد دیتا ہے (۲) یا ایک خیال کے ایک پہلو کو بدل کر اسی کا دوسرا پہلو پیش نظر کر دیتا ہے (۳) یا دو مختلف خیالات کی ترکیب و امتزاج سے ایک نیا پیکر خیالی پیدا کرتا ہے، یہ تمام صورتین **خیال آفرینی** کہی جا سکتی ہین لیکن اگر کسی پامال خیال کو اپنی جگہ پر قائم رکھکر طرز ادا سے اسمین نئی روح پھونک دی ہے تو اس کو **بداعت اسلوب**، ندرت بیان اور طرفگی ادا سے موسوم کیا جاتا ہے، **بداعت اسلوب** کبھی اظہار خیال کی ترتیب اور بیان کا پیرایہ بدل دینے سے پیدا ہوتی ہے، کبھی ندرت تشبیہات اور طرفگی استعارات سے صہبائے کہن کو نئے ساغر و مینا مین پیش کیا جاتا ہے اور کبھی کسی پرانی تصویر پر جدت کے موقلم سے ہلکا سا رنگ دیکر یا پرانے رنگ کو نئی جھلک دیکر تازگی پیدا کی جاتی ہے بقول اصغر

تو شمعِ حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے — فانوس کی گردش مین کیا کیا نظر آتا ہے

دراصل یہی ندرت بیان شاعری کی روح ہے، ہر شعر مین بالکل نئی اور اچھوتی تخئیل پیش

کرنا ناممکن ہے لیکن فرسودہ اور پامال خیالات کو دوبارہ بغیر کسی ندرتِ بیان کے پیش کرنا شاعر کو نقد و نظر کے محکمۂ احتساب میں ایک قابل تعزیر مجرم قرار دیتا ہے،

اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہر جدید تخئیل یا ہر نئی طرزِ ادا بلا کسی تخصیص کے دلفریب ہوتی ہے، تنوع بے شک پسندیدہ ہے مگر موسیقی کی طرح اس میں بھی احساسِ توازن اور موسیقی کے معیارِ تمدن کا لحاظ لازمی ہوگا تاکہ شاعری کی کائناتِ خیالی مذاقِ سلیم پر گران نہ ہو،

شعراے ایران، میں باباے فغانی، نظیری اور عرفی استادانِ ریختہ میں غالب و مومن اور دورِ حاضرہ میں اصغر و فانی، کا کلام ندرتِ بیان کیلئے بطورِ نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے، طبیعت چاہتی تھی کہ حسنِ جزئیات کا احصا بطورِ بالا میں کیا گیا ہے انکو مثالاً اشعارِ اساتذہ سے واضح کیا جاتا مگر بخوفِ طوالت نظرانداز کرتا ہوں، یہاں جناب اصغر کے کلام سے ندرتِ بیان یا بداعتِ اسلوب کی چند مثالیں ہدیۂ اربابِ ذوق ہیں،

اصغر صاحب کی شاعری چونکہ جامع حیثیات ہے لہذا عنوان موسیقی کی طرح اس موقع پر بھی جو اشعار نقل کئے جاتے ہیں ان میں اِس حسن مخصوص کے علاوہ اور محاسن بھی ہیں مگر ندرتِ بیان کا پہلو زیادہ نمایاں ہے اس لئے یہی سرخی ان کے لئے زیادہ مناسب ہے،

فرماتے ہیں:—

مری وحشت پہ بحث آرائیاں اچھی نہیں ناصح ۔۔۔ بہت سے باندھ رکھے ہیں گریباں میں نے دامن میں

(۲) کیا کیا ہوا ہنگام جنون یہ نہین معلوم — کچھ ہوش جو آیا تو گریبان نہین دیکھا

(۳) سو بار ترا دامن، ہاتھون مین مرے آیا — جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریبان ہے

وارفتگی شوق کے عالم مین متخیلہ جس صورت کو ہمارے سامنے محبوب بنا کر پیش کرتا ہے وہ حقیقت مین خود ہماری ہی جذبات کی کرشمہ سازی ہوتی ہے ہم اس حقیقت کا احساس اس وقت کرتے ہین جب وہ ولولہ باقی نہین رہتا، اور نگاہ بصیرت کے سامنے سے استیلاے شوق کا حجاب اٹھ جاتا ہے، اس فلسفیانہ نکتہ کے علاوہ تصوف کا پہلو بھی اس شعر مین ہے اس دقیق فلسفہ کو جس موثر پیرایہ مین ادا کیا گیا ہے وہ صرف اصغر صاحب کا حصّہ ہے،

(۴) کچھ نہ ہم سے ہو سکا اس اضطراب شوق مین — انکے دامن کو مگر اپنا گریبان کر دیا

(۵) اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پر آشوب — فتنون نے ترا گوشۂ دامان نہین دیکھا

(۶) غضب ہو اگر گریبان ہے چاک ہونیکو — تمہارے حسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری

عشق کی خستہ حالی حسن کی رسوائی ہے، اس خیال کے علاوہ وحدت حسن وعشق کا نکتہ کس لطیف انداز مین نظم ہو گیا ہے یعنی ہمارا گریبان چاک ہوا اور یہ پردہ ہٹا تو تم خود نمایان ہو جاؤ گے،

(۷) پھر گری آنکھون کے نیچے وہ ادا برق حسن — چیخ اٹھے سب مرا چاک گریبان دیکھکر

عشق کی بے سر و سامانی حسن کا آئینہ جمال ہے نکتہ رس نگاہین مسبب مین سبب کا

جلوہ دیکھ کر متاثر ہو گئی ہین اس خیال کو کیسے اچھوتے پیرایہ مین دکھایا ہے،

(۸) اک شعلہ اور شمع سے بڑھکر ہے رقص مین ۔۔ تم پھاڑ کر تو سینۂ پروانہ دیکھیے

(۹) اے حسنِ ازل اپنی اداؤن کے مزے لے ۔۔ ہے سامنے آئینۂ حیران محمدؐ

توحید و رسالت کے ربطِ خفی کا نکتہ بلند پاسِ آدابِ شریعت کے ساتھ حسنِ ذوق کی زبان سے ادا کیا گیا ہے اس کو صرف اہلِ بصیرت سمجھ سکتے ہین،

(۱۰) اسرارِ حقیقت کو ایک ایک سے پوچھا ہے ۔۔ ہر نغمۂ رنگین سے ہر شاہدِ رعنا سے

اس مین شک نہین کہ صاحب ذوق آواز و دلا سے مست ہو سکتا ہے لیکن اگر ذوق کے ساتھ امتیاز بھی باقی ہے تو ہم کسی فروتر یا خفیف مظہر مین اس اعلیٰ حقیقت کو خود دیکھنا پسند نہین کر سکتے بلکہ صرف نغمۂ رنگین اور شاہدِ رعنا کے پردہ مین شاہدِ حقیقت کی تلاش کرتے ہین،

(۱۱) یا زندگی تو تھی ہر موجِ حوادث کی ۔۔ یا موت کا طالب ہون انفاسِ مسیحا سے

۱۲ آہون نے میری خرمنِ ہستی جلا دیا ۔۔ کیا منہ دکھاؤن گا تری برقِ نظر کو مین

۱۳ نیرنگیِ جمال کے قربان جائیے ۔۔ حیران ہون دیکھ دیکھ کے اپنی نظر کو مین

یہان پر حسن و عشق کی نسبت ایک دوسرا نظریہ بیان کیا گیا ہے جو اشعار سابقہ سے بالکل مختلف ہے،

۱۴ ہمتِ حق نے بہت دیکھ لی ایمان کی بہار — اب ذرا ساتھ ہی عصیاں کی بھی ارمان کر دین

۱۵ دیر کی راہ نہ ملتی ہو تو کعبہ ہی سہی — کفر جب کفر نہ بنتا ہو تو ایمان کر دین

۱۶ آج خونِ گشتہ تمنا مین مجھے یاد آگئین — ہر طرف ہنگامۂ جوشِ بہاران دیکھکر

۱۷ مری نگاہون نے جھک جھک کے کر دیے سجدے — جہان جہان کہ تقاضائے حسنِ یار ہوا

۱۸ یہ بھی فریب ہین کچھ دردِ عاشقی کے — ہم مر کے کیا کرینگے کیا کر لیا ہے جی کے

۱۹ جوشِ شباب، نشۂ صہبا، ہجومِ شوق — تعبیر یون بھی کرتے ہین فصلِ بہار کو

۲۰ آ جا نکل کے سامنے اے شوخ مست حسین — مین جانتا ہون پردۂ ابرِ بہار کو

۲۱ پردۂ لالہ و گل بھی ہے بلا کا خونریز — اب زیادہ نہ کرے حسن کو عریان کوئی

۲۲ مٹی جاتی ہے بلبل جلوۂ گلہائے رنگین پر — چھپا کر کس نے پردون مین برقِ آشیان رکھدی

۲۳ جبینِ شوق لائی ہے وہان سے داغِ ناکامی — یہ کیا کرتی رہی کمبخت ننگِ آستان برسون

۲۴ نہ کی کچھ لذتِ افتادگی مین اعتنا مین نے — مجھے دیکھا کیا اٹھکر غبارِ کاروان برسون

۲۵ محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگین سے — رہا ہون آشیا مین لیکے برقِ آشیان برسون

۲۶ کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا مین نے نغمۂ رنگین — کہ فرطِ ذوق سے جھومی ہے شاخِ آشیان برسون

صنائع بھی اسی ندرتِ بیان کے تحت مین آتی ہین لیکن صنائع کا لطف یہ ہے کہ بیساختہ پن کے ساتھ ادا کی جائین اور معنویت کا خون نہو، تا سامع پر یہ اثر پیدا ہو سکے

کہ قصد اً صنائع کے لحاظ سے شعر لکھا گیا ہے بلکہ یہ معلوم ہو کہ خود بخود زبانِ قلم سے تراوش ہو گئی ہے، اصغر کے یہاں اس کی مثالیں بہت ہیں یہاں پر صرف حسبِ ذیل اشعار پر اکتفا کی جاتی ہے،

جوشِ جنوں میں چھوٹ گیا آستانِ یار — روتے ہیں منہ پہ دامنِ صحرا لیے ہوئے

کیجئے آج کس طرح دور کے سجدہ نیاز — ہوش بھی تو نہیں ہے اب پاؤں کہاں ہے سر کہاں
(ایہام)

راز کی جستجو میں مرتا ہوں — اور میں خود ہوں ایک پردۂ راز
(لف و نشر مرتب)

(رد العجز علی الصدر)
کبھی کبھی ندرتِ بیان پیدا کرنے کے لئے غیر ذی روح اشیاء یا کیفیاتِ مجردہ کو ذی روح فرض کر لیا جاتا ہے مثلاً،

تمنا اٹھی وہ داغِ مری غرضِ شوق پہ — حسن جاگ اٹھا دنیا میں جب عشق نے فریاد کی

بیدار ہوا منظر اسی مست خرامی سے — غنچوں کی کھلیں آنکھیں دامن کی ہوا آئی

کبھی کبھی ندرتِ استعارہ اور حسنِ ترکیب سے بھی یہ بات پیدا کی جاتی ہے مثلاً

دل میں اک بوند لہو کی نہیں رونا کیسا — اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلستاں کوئی

زندانیوں کو آ کے نہ چھیڑا کرے بہت — جانِ بہار نرگسِ رسوا کہیں جسے

اس جلوہ گاہِ حسن میں چھایا ہے ہر طرف — ایسا حجابِ چشمِ تماشا کہیں جسے

انداز ہیں جذب اس میں شمعِ شبستاں کے — اک حسن کی دنیا ہے خاکسترِ پروانہ

ہے تیرے تصور سے یاں نور کی بارش | یہ جان حزیں ہے کہ شبستانِ حرا ہے
اب طور پہ وہ برق تجلی نہیں رہی | ٹھہرا رہا ہے شعلۂ عریان آرزو
ہے عشق کہ محشر میں یوں مست خراماں ہو | دوزخ بگریبان ہے فردوس بداماں ہو

ندرت خیال :۔ اس کا اظہار چونکہ کبھی مصوری کے رنگ میں ہوتا ہے اور کبھی حکیمانہ نکتہ سنجی کے انداز میں ہوتا ہے اس لئے اس طرح کے اشعار دوسرے عنوانوں کے تحت میں بھی پیش کئے جائیں گے ؛۔

ہاں اس قدر گذارش اور ہے کہ خود مصوری اور بت تراشی باہم اس قدر متشابہ اور ہم جلیس ہیں جنکے حدود متعین کرنا سخت دشوار ہے اور شاعری میں آکر تو یہ فرق اور بھی نازک ہو جاتا ہے اسی طرح حکیمانہ نکتہ سنجیاں بھی چونکہ اکثر کیفیات روحانی کے مادی مظاہر سے متعلق ہوتی ہیں اور اکثر الہیات یا مابعد الطبعیات کے اسرار و رموز کو سہولت فہم کے لئے تشبیہات مادی سے ادا کیا جاتا ہے اس لئے محاسن شعریہ کے یہ مختلف پہلو ایک دوسرے سے جدا نہیں کئے جا سکتے نہ ان کی تبویب و تفصیل کسی خاص منطقی اصول پر کی جا سکتی مثال کے طور پر زور بیان، رنگینیِ ادا جوش و سرمستی یا سوز و گداز کو لیجئے ان میں سے ہر انداز مصوری و بت تراشی دونوں کے تحت میں آسکتا ہے اور ہر ایک پر ندرت بیان کا بھی اطلاق ممکن ہے مگر میں ان حیثیات چہارگانہ کو مصوری کے مختلف شعبے بتا ہوں ناظرین کو اختلاف رائے کا حق حاصل ہے ،

مصوّری،

شاعری کا ایک ضروری عنصر اور بعض ارباب فن کے خیال مین اس کی اصلی جان مصوری ہے یہی میدان تخئیل کا اصلی جولانگاہ ہے اور یہین پر ایک شاعر کو اپنے کمال فن کی سحرکاریان دکھانے کا موقع ملتا ہے مصوری کے دو مدارج ہین، کمال مصوّری اور حسن تصوی[ر]

کمال مصوری مصور کو تخئیل کے علاوہ اپنے کمال فن کیلئے لطافت احساس، قوت مشاہدہ اور صدق اظہار کی ضرورت ہے اور یہی صفات شاعر کے لئے بھی ناگزیر ہین،

لطافت احساس، ایک مصور یا شاعر اگر احساس لطیف لیکر نہین آیا اور خود اس مین تاثر و انفعال کی قابلیت نہین ہے تو وہ دوسرون کو متاثر نہین کرسکتا اسی نکتہ کو ملحوظ رکھکر یہ کہا گیا ہے کہ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" اور شاعر مصور کی سطح چونکہ عام خلایق سے بالاتر ہے لہذا اس کے تاثر انفعال مین لطافت ضروری ہے ورنہ شعر یا تصو[یر] مین خواہ مخواہ بھونڈا پن آجائیگا،

قوت مشاہدہ شاعر یا مصور کی نگاہ کو عوام کی نظر سے کہین زیادہ تیز اور نکتہ رس ہونا چاہئے تاکہ ان نازک اور لطیف جذبات و کیفیات تک اس کی دسترس ہو سکے جہان پر نگاہ نہین پہونچ سکتی،

صدق اظہار شاعر یا مصور کا کمال یہ ہے کہ جن کیفیات سے جس طرح وہ خود متاثر

ہوا ہے اسی طرح اپنے مخاطب تک منتقل کرنے کی کوشش کرتا ہے، تاکہ اس پر بھی وہی کیفیت طاری
ہو سکے بعض طبائع شوق تنوع اور تلاش ندرت میں دنیائے حقیقت سے بالکل دور جا پڑتی
ہیں، اس لئے ہزار فکر کے بعد بھی ان کے نتیجۂ فکر میں نہ شان واقعیت ہوتی نہ اصلیت کا
رنگ ہوتا اور مخاطب میں کسی جذبہ کی تحریک نہیں ہوتی تصویر میں واقعیت یعنی اصل
سے مطابقت ضروری ہے لیکن دنیائے مصوری کی واقعیت یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ تصویر میں
اصل کی کل جزئیات ظاہر کی جائیں اس کے لئے صرف اس قدر واقعیت کافی ہے کہ
جو کچھ اس نے محسوس کیا ہے اور جس خاص بات سے وہ متاثر ہوا ہے اسکو تصویر میں نمایاں
کر دے، اسی طرح شاعر کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے موضوع شعر کی تمام تفصیلات کا
استقصا کرے یا ایک فلسفی کی طرح اسکی مکمل تشریح پیش کرنے کی کوشش کرے، شاعر کا روئے سخن
جذبات کی طرف ہوتا ہے لہٰذا اس کو صرف ایک تاثر انگیز پہلو دکھا کر گذر جانا چاہئے
بسا اوقات شاعر کا موضوع سخن ایک ایسی بے کیفیت وہم اور ناقابل اظہار حقیقت ہوتی
ہے جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتی وہاں شاعر کی مصوری کا صرف اسقدر ہے کہ اپنے موضوع شعر کی
طرف دور سے ایک اشارہ کرکے مخاطب کے احساسات و ادراکات کو اسی طرح مائل کر دے
اور جو کچھ شاعر نے دیکھا تھا اگر ٹھیک وہی نہیں تو قریب قریب وہی چیز شاعر کے مخاطب کو
بھی نظر آنے لگے گی اصغر نے کیا خوب کہا ہے،

اگر خموش ہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے ۔۔۔ جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

حسن مصوری کمال مصوری اور حسن مصوری میں فرق یہ ہے کہ ہر کمال حسن نہیں ہے مگر ہر حسن کمال ہے، کمال مصوری یہ ہے کہ تصویر اصل کے مطابق ہو یا یوں کہیئے کہ تصویر خود بول اٹھے اس سے بحث نہیں کہ وہ تصویر کس چیز کی ہے، مکروہ اشیا اور نفرت انگیز مناظر کی تصویر بھی اگر ہو بہو کھینچ دئے تو ایک نمونہ کمال ضرور ہے مگر حسن مصوری کے منافی ہے اسی طرح بعض اوقات مصور قصداً واقعیت کا کوئی حصہ حسن تصویر کو قائم رکھنے کے لئے حذف کر دیتا ہے مثال کی ضرورت نہیں،

اردو شاعری میں مصوری بہت تھا ذرہے اور اگر ہے بھی تو علاوہ چند مستثنیات کے حسن مصوری سے عاری ہے، بعض اشعار میں جس طرح کی مصوری کی گئی ہے اس سے کسی جذبہ کو تحریک نہیں ہو سکتی بلکہ حس جذبہ کی تحریک ان کا مقصود ہو سکتا ہے وہ اگر موجود رہے بھی ہوں تو اس تصویر کے نفرت انگیز اثر سے فنا ہو جائیں مثلاً

آنکھیں دکھلاتے ہو ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اس قسم کی مثالیں حسن مصوری کی صنف میں نہیں آئیں، حسن مصوری کی مثال میں نظام کی یہ غزل پیش کی جا سکتی ہے،

انگڑائی لینے بھی وہ نہ پائے اٹھا کے ہاتھ ۔۔۔ دیکھا مجھے تو چھوڑ دیا مسکرا کے ہاتھ

منہ پھیر کر اُدھر کو اِدھر کو بڑھا کے ہاتھ دینا وہ اُن کا ساغرِ مے یاد ہے نظامؔ

ان اشعار میں محض کیفیت مادی کی مصوری ہے لیکن اگر کیفیات ذہنیہ کی مصوری ہو تو اس سے بہتر چیز ہے مثلاً،

دیکھتے جاتے تھے منہ پھیر کے گھر کی صورت لئے جاتا تھا جنون جانب صحرا ہمکو

(داغ)

حسن مصوری کے لئے سلیقۂ انتخاب حسن ترکیب اور سلامت مذاق لازمی ہے،

سلیقۂ انتخاب سے مراد موضوع تصویر کا انتخاب یعنی انھین اشیاء کی مصوری کی جائے جن مین بجائے خود کوئی ادا یا دلکشی موجود ہے اور طبائع انسانی سے ان کو فی نفسہ مناسبت ہے، اور پھر اس موضوع تصویر کا وہی پہلو نمایان کیا جائے جو قابل اظہار ہو،

اردو شاعری مین حسن انتخاب کی مثالین شاذ ہین ورنہ اکثر تو ایسی مصوری کی گئی ہے جس سے طبیعت کارہ ہوتی ہے مثلاً

بہانہ کیا خود گرے ہم پھسل کر جو برسات مین تا در یار پہونچے

سبحان اللہ تصویر تو یہ ضرور ہے مگر کس کی؟ ایک بوالہوس، بدنصیب، اور بدمذاق انسان کی، بوالہوس اس لئے کہ خود بخود نہین گرا بلکہ بہانہ کرتا ہے، بدنصیب اس سئے کہ دربار تک پہونچ کر بھی آستان بوسی نصیب نہین ہوئی بلکہ کمبخت گرتا بھی ہے تو کہان؟ کیچڑ یا کیچ مین (لفظ کی صحت کا فیصلہ حضرات دہلی و لکھنؤ فرمالین) یا مثلاً

میں نے انکے سامنے اوّل تو خنجر رکھدیا پھر کلیجہ رکھدیا دل رکھدیا سر رکھدیا

اس میں تفصیل سے تصویر تو پیدا ہو گئی مگر کس بیدردی سے ایک قصاب کی دکان پیش نظر ہو گئی ملاحظہ ہو،

پھر کلیجہ رکھدیا ـ دل رکھدیا ـ سر رکھدیا،

حسن ترکیب تصویر میں جو رنگ بھرا جائے وہ نہ بہت گہرا اور شوخ ہو نہ بالکل پھیکا اور پژمردہ بلکہ ایک خفیف تموج اور تدریجی تغیر کے ساتھ شوخی و لطافت دونوں کی اس طرح آمیزش ہو کہ دونوں کے محاسن قایم اور نمایاں رہیں لیکن ایک کو دوسرے سے جدا کرنا دشوار ہو جس طرح سپیدۂ سحری میں دن کی روشنی اور رات کا سکون باہم مل کر ایک عجیب و غریب سمان پیدا کر دیتے ہیں اور یہ امتیاز دشوار ہوتا ہے کہ اس طباشیر صبح کی دلفریبی میں شعاع آفتاب کا حصہ زیادہ ہے یا پردۂ شب کی اس ہلکی سی تہ کا جو ابھی روئے آفتاب پر نقاب بن کر پڑی ہوئی ہے اور چند لمحوں میں ندر تجلی ہوا چاہتی ہے مثال کے طور پر یہ شعر ملاحظہ ہو،

رخ رنگین پہ موجیں ہیں تبسم ہائے پنہاں کی شعاعیں کیا پڑیں رنگت نکھر آئی گلستاں کی

رعنائی شباب اور احساس حسن کے مجموعی اثر سے عارض گلرنگ پر جو ہلکا سا نورانی تموج ہے اس نے پیکر جمال میں بلا کی دلفریبی پیدا کر دی ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا

سورج کی شعاعین پھولون سے کھیل رہی ہین، رنگ و نور کی اس آمیزش لطیف نے دونون کی شان دوبالا کردی ہے،

ایک نکتہ اس شعر مین اور بھی قابل ملاحظہ ہے کہ کھلکھلا کر ہنسنا تو درکنار شاعر کا ذوق لطیف تبسم آشکار کو بھی محبوب کی شان خودداری کے منافی سمجھتا ہے اور محض تبسم پنہان پر اکتفا کرتا ہے،

سلامت مذاق ماحول سے مطابقت، سوسائٹی کے معیار تمدن اور موضوع تصویر کی حیثیت و شان کا لحاظ بھی حسن تصویر کا جزو لاینفک ہے اور اسی کو یہان سلامت مذاق سے تعبیر کیا گیا ہے مثلاً لیلی اور کوئن میری کی تصویرین اگرچہ بجائے خود بالکل مطابق اصل ہون مگر لیلی کو صحرائے نجد مین سایہ پہنا کر موٹر مین دوڑا دینا اور کوئن میری کو اسکاٹلینڈ کی پہاڑیون پر محمل مین بٹھا کر جان بل کے ہاتھ مین ناقہ کی مہار دیدینا کس قدر مضحکہ انگیز ہوسکتا ہے

عدم مطابقت ماحول سے جو بدمذاقی شعر کی مصوری مین پیدا ہو جاتی ہے، اس کی مثالین اردو شاعری مین بکثرت مل سکتی ہین، یہ دو شعر نمونہ کیلئے کافی ہین،

نکالی مانگ انھون نے تو میرے دل نے کہا نکل رہی ہے سڑک یہ بلا کے آنے کی

یہان پر سڑک کا تخیل فقدان ذوق نہین تو کیا ہے؟

الجھا ہے پاؤن یار کا زلف دراز مین لو آپ اپنے دام مین صیاد آگیا

جس وقت یہ حادثہ وقوع مین آیا تھا اس وقت خوش قسمتی سے کوئی فوٹو گرافر موجود نہ تھا جو جمالِ جانان کی یہ دلفریب ہیئت کھینچ کر دردمندانِ محبت کو ہمیشہ کیلئے اس جانکاہ مرض سے نجات دلا جاتا،

یہی درازیٔ زلف غالبؔ کے یہان بھی ہے مگر دیکھئے کس شان سے ادا کی گئی ہے،

پھر مرکھل جائے ظالم تیری قامت کی درازی کا — اگر اس طرۂ پر پیچ وخم کا پیچ و خم نکلے

غالبؔ احترامِ حسن کا اندازہ دان ہے وہ یہ گوارا نہین کرسکتا کہ محبوب کے گیسو جاروب کشی کرین یا پاؤن مین الجھ کر رہ جائین،

یہان ایک نکتہ اور بھی قابلِ لحاظ ہے، کہ ایک نقاش اور ایک شاعر کی مصوری مین زمین و آسمان کا فرق ہے نقاش حسن یا چہرہ کے ذریعہ سے اپنے مخاطب سے اپیل کرتا ہے مگر شعر کی معنویت اور موسیقی باہم مل کر ایک طرف تو سامعہ کے ذریعہ سے شاعر کے احساسات کو مخاطب کی طرف منتقل کرتی ہین اور دوسری جانب متخیلہ اس کیفیت کو مجسم کرکے نگاہ کے سامنے کردیتا ہے، اور اگر مصوری کے ساتھ اسرار و معارف کا بھی کوئی نکتہ شعر مین ادا ہوا ہے تو نفسِ ناطقہ بھی متاثر ہوتا ہے اور اگر نکتہ مین ذوقِ عرفان کی بھی کوئی چاشنی ہے تو انسانیت کے اس ملکوتی عنصر پر بھی عالمِ وجد و حال طاری ہو جاتا ہے جسکو عام طور پر روحانیت کہتے ہین،

یہان پر بطور مثال جناب اصغر کے کلام سے مصوّری کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہین،

(۱) قفس تک کسطرح صیاد لایا دکھاو جاکر | پڑے ہونگے ابھی کچھ بال و پر بیتے نشیمن مین

حفظ آزادی کے لیے جو سعی ناکام کی گئی ہے اس کی کتنی صحیح تصویر ہے،

(۲) رخ رنگین پہ موجین ہین تبسم ہاے پنہا نکی | شعاعین کیا پڑین رنگت نکھر آئی گلستانکی

(۳) ڈوبا ہوا سکوت مین ہے جوش آرزو | اب تو یہی زبان مرے مدعا کی ہے

(۴) دشت غربت کی طرف اک آہ بھر کر حسرت کی | گرد کو پھیرون مرے اہلِ وطن دیکھا کیے

(۵) مستی سے ترا جلوہ خود عرض تماشا ہے | آشفتہ مزاجون کا یہ کیف نظر دیکھا

عشق کی نگاہ شوق سے حسن پر ایک نشہ سا چھا جاتا ہے یہ کیف جمال محبوب کو خود جذب نظر کے لئے بیتاب کرتا ہے نفسیات حسن و عشق کے اس دقیق نکتہ کی کتنی صحیح مصوری کی گئی ہے،

(۶) یہ دیکھتا ہون ترے زیر لب تبسم کو | کہ بحر حسن کی اک موج بیقرار نہ ہو

(۷) قفس کی یاد مین یہ اضطراب دل معاذ اللہ | کہ مین نے توڑ کر ایک ایک شاخ آشیان رکھدی

(۸) افتادگانِ عشق نے سر بھی اٹھا کے دیکھا | اٹھیں گے بھی تو نقش کف پا لئے ہوئے

(۹) کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا | ڈھلک پڑا مری آنکھون سے گوہر مقصود

(۱۰) اس کی نگاہ ناز نے چھیڑا کچھ اس طرح | ابتک اچھل رہی ہے رگِ جان آرزو

(۱۱) روداد چمن سنتا ہون اس طرح قفس مین — جیسے کبھی آنکھون سے گلستان نہین دیکھا

(۱۲) نہ کی کچھ لذت افتادگی مین اعتنا مینے — مجھے دیکھا کیا اُٹھکر غبار کاروان برسون

(۱۳) آخر مجھے جنون نہین لیکن یہ حال ہے — گھبرا رہا ہون دیکھ کے دیوار و در کو مین

(۱۴) سب مزے کردیئے خورشید قیامت نے خراب — میری آنکھو مین تھا اک روئے دلآرام ابھی

(۱۵) پھر گرم نوازش ہے ضو مہر درخشان کی — پھر قطرۂ شبنم مین ہنگامۂ طوفان ہے

(۱۶) یہ حسن کی موجین ہین یا جوش تبسم ہے — اس شوخ کے ہونٹون پر اک برق سی لرزان ہے

۱۷ رہ رہ کے چمکتی ہے وہ برق تبسم بھی — لہرین سی جو اٹھتی ہین کچھ چشم تمنا سے

۱۸ اس عارض رنگین پہ عالم وہ نگاہون کا — معلوم یہ ہوتا ہے پھولون مین صبا آئی

۱۹ بکھری ہوئی ہے زلف بھی اس چشم مست پر — ہلکا سا ابر بھی سر مینا نہ دیکھتے

۲۰ کیا مرے حال پہ سچ مچ انھین غم تھا قاصد — تونے دیکھا تھا ستارہ سر مژگان کوئی

۲۱ میری فغان درد پر اس سر دناز کو — ایسا سکوت ہے کہ تقاضا کہین جسے

۲۲ مجھی سے بگڑے رہتے ہین مجھی پر ہے عتاب انکا — اور ان سے چھپ نہین سکتین نوازشہائے پنہان کی

۲۳ تم دید کو کہتے ہو آئینہ ذرا دیکھو — خود حسن نکھر آیا اس کیفیت تماشا سے

۲۴ عارض رنگین پہ انکے رنگ سا کچھ آگیا — ان گلون کو چھیڑ کر ہم نے گلستان کردیا

۲۵ لذت سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ — ہائے وہ اتصال ناز و نیاز

اس جوئبار حسن سے سیراب ہے فضا روکو نہ اپنی لغزش مستانہ وار کو

ہم خستگان راہ کو راحت کہاں نصیب آواز کان میں ابھی بانگ درا کی ہے

اسرار و معارف یہاں تک وسعت آیا دِ سخن کی وہ منزلیں تھیں جہاں تک دوسرے فنون لطیفہ کی رسائی ممکن ہے لیکن اس سدرۃ المنتہی کے آگے اسرار حکمیہ اور معارف الٰہیہ کی بزم تجلی شروع ہو جاتی ہے جہاں صرف شاعری کی تخئیل کو باریابی کا اذن مل سکتا ہے اور یہی مقام شاعری کی معراج ہے، اگر ایک شاعر عالم رنگ و بو سے گذر کر فلسفۂ و حکمت کے نکتہ ہائے سربستہ مذہب کے اسرار و رموز اور مراحل سلوک و عرفان کی کیفیات مجردہ اسی ترنم، اسی جدت بیان، اور اسی حسن مصوری کے ساتھ ادا کرتا ہے تو اس کی شاعری سحر سے گذر کر اعجاز بنجاتی ہے، اس طرح کے شاعر کے لئے بصیرت، تاثر، اور قوت بیان تینون کا اجتماع ضروری ہے یعنی ایک طرف تو قوت مشاہدہ اتنی تیز ہونی چاہئے کہ نہایت دقیق نکتوں تک پہونچ سکے، دوسری جانب احساس اتنا لطیف ہونا چاہئے کہ وہ غیر مادی حقایق سے بھی لذت اندوز ہو سکتا ہو اور ان دونون مراحل کے بعد قوت بیان ایسی ہونی چاہئے کہ عرفان و ذوق کی اس مجموعی کیفیت کی تصویر ایک نئے انداز کے ساتھ شعر کے نغمۂ موزون مین کھینچ کر دوسرون کو بھی لذت اندوز کر سکے تو یہ ایک باکمال شاعر ہے،

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ [illegible] فرق ہے وہ یہاں بھی قائم رہتا ہے،

نازک سے نازک نکتہ حکمت اور لطیف سے لطیف سرّ معرفت کو محض خشک طریقہ پر نظم کر دینا شاعری نہین ہے۔ فلسفہ و حکمت یا نفسیات و تصوف کی مصطلحات کا بے ضرورت بار بار اعادہ بھی شعر مین یہ کیفیتین پیدا نہین کر سکتا بلکہ کمال شاعری یہ ہے کہ حقایق و معارف کو گل و بلبل کی زبان اور بادۂ و ساغر کے رنگ مین پیش کیا جائے بقول حضرت اصغر،

پھر آج جوش سرّ حقیقت ہے موجزن — کچھ پردہ ہاے ساغر و مینا لئے ہوے

یہان پر مختصراً اسرار و معارف کے چند نمونے کلام اصغر سے پیش کئے جاتے ہین اور بعض جگہ ان کے مطالب کی طرف ایک خفیف سا اشارہ بھی کر دیا جائیگا،

اب تک تمام فکر و نظر پر محیط ہے — شکل صفات معنی اشیا کہین جسے

یہی خیال اس شعر مین ادا کیا گیا ہے،

جس پہ مری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب — بیخودی نے اب اسے محسوس و عریان کر دیا

پھر مین نظر آیا نہ تماشا نظر آیا — جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا

نظارہ بھی اب گم ہے بیخود ہے تماشائی — اب کون کہے اس کو جلوہ نظر آتا ہے

تری نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہے مرا — کمال ہوش کہون یا کمال بے خبری

ایک طالب جلوۂ ذات کے لئے یہ صفات بھی پردہ ہین اسی لئے اہل بصیرت علم و عرفان اس کو کہتے ہین کہ انسان کے تمام ادراکات و احساسات پر جمال دوست کا استیلا ہو

ناظر و منظور ذات و صفات کا فرق مٹ جائے اسی مقام کو اصطلاحِ سلوک مین فنا کہتے ہین

تمہین خود نمودِ حسن مین شانین حجاب کی — مجھکو خبر رہی نہ رخِ بے نقاب کی

جس طرح کمالِ بے خبری ہی اصل علم و عرفان ہے اسی طرح کمالِ ظہور بھی عین حجاب ہے اس حقیقت کی کتنی دلکش مصوری اس شعر مین کی گئی ہے، اس فلسفہ کے متعلق جناب اصغر کی ایک نظم "سرِ فنا" ہے جو غالباً اپنی جامعیت کمال کے لحاظ سے زبان اردو مین بے مثل ہے ارباب ذوق دیوان مین ملاحظہ فرمالین، یہ حقیقت ان اشعار مین بھی نمایان کی گئی ہے:۔

پردۂ حرمان مین آخر کون ہے اسکے سوا — اے خوشا دردے کہ نزدیکی بھی ہے دوری بھی ہے

حسرتِ ناکام میری کام سے غافل نہین — اک طریق جستجو یہ دردِ مہجوری بھی ہے

مین تو ان محجوبیون پر بھی سراپا دیدہ ہون — اسکے جلوہ کی ادا اک شانِ مستوری بھی ہے

میری محرومی کے آنسو ہے یہ دی اس نے صدا — قرب کی راہون مین میری راہ اک دوری بھی ہے

فلسفہ حسن و عشق | حسن و عشق کے ربط باہمی کی نسبت مختلف نظریے ہین بعض کے نزدیک حسن فی نفسہ کوئی چیز نہین خود ہمارا ذوق نظر اور ہماری بے تابیِ شوق ایک چیز کو ہماری نگاہ مین محبوب بنا دیتی ہے یعنی بہ الفاظ دیگر عشق خالقِ حسن ہے، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ اصل حقیقت محض حسن ہے اور حسن کا تقاضا ہے ظہور و خودنمائی اور یہ تقاضا عشق کا محرک اور خالق ہے، مذہب کی اصطلاح مین اسی کو توفیق کہتے ہین، تیسرا نظریہ یہ ہے

کہ حسن و عشق دونون اپنی اپنی جگہ پر مستقل ہستیان ہین، مگر ہر شخص کا معیار حسن فطری طور پر مختلف ہوتا ہے اور فطرت اپنے معیار پسند کی جستجو مین رہتی ہے اور جب اتفاق سے وہی چیز آجاتی ہے تو دبی ہوئی چنگاریان بھڑک اٹھتی ہین اور اسی تطابق حسن و عشق سے دونون کا فطری رنگ نکھر آتا ہے، چوتھا نظریہ یہ ہے کہ تمام کائنات عالم چونکہ محض ایک حسن ازلی کا پرتو ہے لہذا حسن و عشق کی حقیقت ایک ہے، شانین مختلف ہین، حضرت اصغر کے کلام سے ہر نظریہ کے متعلق مثالاً یہان چند اشعار پیش کر دیے جاتے ہین، جس سے ان کے کمال فن کا اندازہ کیا جاسکتا ہے،

(نظریہ اول:)

تھین نگاہ شوق کی رنگینیان چھائی ہوئی — پردۂ محمل اٹھا تو صاحب محمل نہ تھا

اسمین وہی ہین یا مرا حسن خیال ہے — دیکھو اٹھا کے پردۂ ایوان آرزو

میرے مذاق شوق کا اسمین بھرا ہے رنگ — مین خود کو دیکھتا ہون کہ تصویر یار کو

جبین شوق کی شوریدگی کو کیا کہیے — وگرنہ عشوہ طرازی نقش پا معلوم
ستم جو چاہے کرے تجھ پہ ذوق عکس نظر — بساط آئینہ حسن خود نما معلوم

وہ عشق کی عظمت سے شاید نہین واقف ہین — سو حسن کرون پیدا ایک ایک تمنا سے

(نظریہ دوم:)

پھر گرم نوازش ہے ضو مہر درخشان کی — پھر قطرۂ شبنم مین ہنگامۂ طوفان ہے
اک غنچۂ افسردہ یہ دل کی حقیقت تھی — یہ موجزنی خون کی رنگینی پیکان ہے

تیسرا نظریہ ایسا بھی ایک جلوہ تھا اسمین چھپا ہوا　　اس رخ پہ دیکھتا ہومین اپنی نظر کو مین
نگاہ شوق کو یارائے سیر دید نہ ہو　　جو ساتھ ساتھ تجلی حسن یار نہ ہو
مستی سے ترا جلوہ خود عرض تماشا ہے　　آشفتہ نگاہوں کا یہ کیف نظر دیکھا
مجنون کی نظر مین بھی شاید کوئی لیلی ہے　　ایک ایک بگولے کو دیوانہ بنا آئی

چوتھا نظریہ وہی ہے جسکو اصطلاح سلوک مین وحدت الوجود کہتے ہین،

وحدت الوجود کا مسئلہ قدما سے لیکر آج تک تمام شعرائے باکمال کا موضوع سخن رہا ہے اس پامال مضمون پر ندرت بیان سے اصغر نے وہ سحرکاریان کی ہین جنکی مثال موجودہ شاعری مین تلاش کرنا سعی لاحاصل ہے،

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے　　پردہ پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے
لو شمع حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے　　فانوس کی گردش مین کیا کیا نظر آتا ہے
اے پردہ نشین ضد کیا ہے چشم تمنا کو　　تو دفتر گل مین بھی رسوا نظر آتا ہے
کس طرح حسن دوست ہے بے پردہ آشکار　　صدہا حجاب صورت و معنی لئے ہوئے
کچھ غنیمت ہو گئے یہ پردہائے آب و رنگ　　حسن کو یون کون رہ سکتا تھا عریان دیکھکر
بند ہو آنکھ اٹھے منظر فطرت کا حجاب　　لاؤ اک شاہد مستور کو عریان کر دین

عمل وہ چیز ہے جو قصد و ارادہ سے ظہور مین آئے، ارادہ کے لئے اختیار ضروری اور اختیار

کے لیے ادعاے خودی لازم، اور عبادات کی اصل روح عبدیت اور محویت ہے لہذا اعمالِ عبادت سے ذوق و سرمستی کا درجہ بلند تر ہے،

تھی ہر عمل مین دعوی ہستی کی معصیت — مستون نے اور راہ نکالی ثواب کی

سکر و صحو کا نقطۂ اعتدال

بہت لطیف اشارے تھے چشمِ ساقی کے — نہین ہوا کبھی بیخود نہ ہوشیار ہوا

(اصغر) نہ ہوگا مستی بے مدعا کا رازدان برسون — وہ زاہد جو رہا سرگشتۂ سود و زیان برسون

" کچھ اور ہی فضا دلِ بے مدعا کی ہے — دیکھا ہے روزِ وصل و شبِ انتظار کو

" کیا دردِ ہجر اور یہ کیا لذتِ وصال — اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے

" یہ دین وہ دنیا ہے یہ کعبہ وہ بتخانہ — ایک اور قدم بڑھ کر اے ہمتِ مردانہ

اسلام عین فطرت ہے | اسلام کے معنی ہین تفویض یعنی اپنے تمام ارادات، حرکات، سکنات غرضکہ اپنی تمام ہستی کو رضائے الٰہی کے تابع کر دینا اور یہ ظاہر ہے کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی احکامِ قدرت یعنی قوانینِ فطرت سے مجال سرتابی نہین رکھتا، اس طرح پر تمام موجودات عالم مسلم ہین، فرق ہے صرف اختیار و اضطرار کا ایک دہری گو بظاہر خدا کا منکر ہے مگر اس کی فطرت انکار نہین کر سکتی اسی کی طرف قرآن مجید کا اشارہ ہے، اَفَغَیرَ دِینِ اللّٰہِ یَبغُونَ وَلَہٗ اَسلَمَ مَن فِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ طَوعًا وَّکَرھًا، اس نکتہ کو اصغر اپنی زبان مین

یوں فرماتے ہیں،

مرا وجود ہی خود انقیاد و طاعت ہے — کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اک جبینِ سجود

جینا بھی آگیا مجھے مرنا بھی آگیا — پہچاننے لگا ہوں تمھاری نظر کو میں

دنیائے خاموشی میں تخیل کی ساری فضائے بسیط آجاتی ہے، لیکن تکلم اس بحرِ بیکراں کو محدود کر دیتا ہے،

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے — جو کچھ کہا کہ ترا حسن ہو گیا محدود

بچ حسن تعیں سے ظاہر ہو کہ باطن ہو — یہ قید نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے

پیامِ حیات

کسب حیات تو تری ہر ہر ادا سے ہے — مرنا پسندِ خاطرِ اربابِ جاں نہیں،

اک جہد و کشاکش ہی ہستی ہے سبھی کہتے ہیں — کفار کا مٹ جانا خود مرگِ مسلماں ہے

ایک ایک نفس میں ہے صد مرگ بلا مضمر — جینا ہے بہت مشکل مرنا بہت آساں ہے

ذوقِ طلب

اٹھا ہے درد رگِ جان سے تشنۂ نشتر — تجھے ہے آج تلاش کمالِ چارہ گری

مضرابِ محبت سے اک نغمہ لا ہوتی — پھر موجِ ترنم سے بیتاب رگ جاں ہے

گم صاحبِ تمکیں ہے افسانۂ محفل میں — مجنوں کو وہی لیکن پیغامِ بیاباں ہے

عزم و استقلال

افتادگانِ عشق نے سر ابتو رکھ دیا | اٹھیں گے بھی تو نقش کفِ پا لئے ہوئے

انتہائے سوز و گداز کے ساتھ انتہائی استغنا

نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتنا میں نے | مجھے دیکھا کیا اٹھ کر غبار کاروان برسوں

ایک بلند مرتبہ ہستی ماحول کی تابع نہیں ہوتی بلکہ اپنا ماحول خود پیدا کر لیتی ہے،

نیازِ عشق کو سمجھا ہے کیا اے واعظ ناداں | ہزاروں بن گئے کعبے جبیں میں نے جہاں رکھدی

رندِ جو ظرف اٹھا لیں وہی ساغر بنجائے | جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے

یہاں تک شعر کے اجزائے چہارگانہ کی نسبت چند اجمالی اشارات تھے، اگر کسی شاعر کے کلام میں یہ تمام اوصاف یکجا ہوں تو یہ معراج شاعری ہے مگر جس طرح عناصر کے توام و ترکیب سے جو مزاج پیدا ہوتا ہے وہ ہر ذی روح میں مختلف ہوتا ہے اسی طرح ہر شاعر کا مونۂ کلام بھی مختلف ہوتا ہے، اس اختلاف رنگ سے ان کے مدارج کمال میں فرق پیدا نہیں ہوتا بشرطیکہ رنگ خود سفیہانہ اور مبتذل نہ ہو جس طرح کسی پہاڑ کی چوٹی سے آبشار کی وسیع چادر کا مرغزار کے دامن میں زور و شور سے گرنا اور اس پر آفتاب کی کرنوں سے عالمِ نور پیدا ہو جانا بجائے خود ایک حسن مستقل ہے۔ اسی طرح سرو کی دو رویہ قطاروں کے درمیان سے ایک خفیف ترنم کے ساتھ جوئے رواں کا بل کھا کر نکلنا اپنی جگہ پر اک نغمۂ رنگین ہے

اگر پھول کی پنکھڑی پر آفتاب صبح کی دوشیزہ شعاعون کا رقص دلآویز ہے تو دامن صحرا مین طاؤس طناز کا عالم بیخودی مین ناچنا کچھ کم نشاط انگیز نہین، اسی طرح سنائی اور مولانا روم، فردوسی نظامی سعدی و حافظ، نظیری و عرفی سب کے سب اپنی اپنی قلمرو کے شہنشاہ ہین لیکن ہر ایک کا طغرائے شاہی مختلف ہے، دور کیون جایئے اُردو کے موجودہ شعرا مین قومی رجز خوانی کی حیثیت سے ڈاکٹر اقبال اور پاکیزہ تغزل مین اصغر و فانی اپنی اپنی جگہ پر بے مثل ہین لیکن انمین سے ہر ایک کا رنگ جدا ہے،

شاعری درحقیقت خود شاعر کی باطنی کیفیات کا آئینہ ہوتی ہے جسمین شاعر کے تمام خدوخال صاف طور پر نمایان ہوتے ہین بقول اصغر

اشعار مین سنتے ہین کچھ کچھ وہ نمایان ہے
اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہین دیکھا

جناب اصغر فطرةً شدید الاحساس، بلند نظر اور صاحب وجد و حال ہین اس لئے انکا ایک ایک شعر بلندی خیال شکوہ الفاظ، رقص ترکیب جوشش بیان اور ندرت ادا کا ایک دلفریب طلسم ہے، اسرار و معارف انکی شاعری کا ہیولی، وجد و حال اس کی روح ندرت ادا اس کی صورت اور جوشش بیان اس کا رنگ ہے مثالاً اشعار ذیل ملاحظہ طلب ہین

١ کیا فیض بخشیان ہین رخ بے نقاب کی
ذرون مین روح دوڑ گئی آفتاب کی

٢ سرگرم تجلی ہو اے جلوۂ جانانہ
اڑ جائے دھوان بنکر کعبہ ہو کہ بتخانہ

۳ انوار کی بارش ہو، اسرار کی ریزش ہو ۔ ساغر کو جو ٹکرا دون اس گنبد مینا سے

۴ خرمن گل سے لپٹ کر وہین مرجانا تھا ۔ اب کرے کیون گلۂ تنگی داماں کوئی

۵ لذت سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ ۔ ہائے وہ اتصال ناز و نیاز

۶ قلب پر ابتک برستی ہے شعاع برق طور ۔ خون کے قطرون مین ابتک رقص منصوری بھی ہے

۷ نام انکا آگیا کہین ہنگام باز پرس ۔ ہم تھے کہ اڑ گئے صف محشر لئے ہوئے

۸ شوق سے ہے ہر رگ جان جست مین ۔ لے اڑیگی بوئے پیراہن کہان

حقیقت یہ ہے کہ غالب و مومن نے اساتذہ ایران کے تتبع اور اپنی زور طبیعت سے اردو شاعری مین جو جو دستہ باب اضافہ کئے تھے وہ محض نقش اوّل تھے جناب اصغر حکیم مومن خان کے سلسلۂ تلامذہ مین ہین اور غالب کے شیدائیون مین اور خوش قسمتی سے بادۂ عرفان کے ذوق شناس بھی ہین اس لئے انکی شاعری مین حکیم مومن خان کی بدعت اسلوب اور شگفتگی ترکیب اور غالب کا زور بیان اور نکتہ آفرینی شیر و شکر ہو کر ایک نئی صورت مین جلوہ گر ہوئے ہین جسمین تصوف و عرفان نے تاثیر کی روح پھونکا سا دی ہے، انکی شاعری چونکہ نقش ثانی ہے اس لئے نقش اول کی خامیون سے پاک ہے، اس حیثیت سے اگر انکو ایک طرز خاص کا موجد کہا جائے تو کوئی مبالغہ نہین ہے،

جناب اصغر کا مجموعۂ کلام اردو کی دنیائے نظم مین بہترین شاہکار ادب ہے

جو ہر حیثیت سے اس کا مستحق ہے کہ یونیورسٹی کے اعلیٰ مدارج میں داخل نصاب ہو مگر
اسس کو کیا کیا جائے کہ مردہ پرستی اور کورانہ تقلید کا مرض عوام سے گذر کر خواص تک مین سرایت
کر چکا ہے اور کسی زندہ اہل قلم کو جو اشتہاری دوا فروشوں کی طرح تاجرانہ زندگی کا خوگر نہ ہو
ہمعصروں سے خراج تحسین یا ارباب مناصب سے اعتراف کمال کی توقع رکھنا محض فضول ہے
غزلیات اصغر کی سب سے بڑی خصوصیت معیار اخلاق کی بلندی ہے آپکو تلاش سے
بھی ایک شعر کلام اصغر مین ایسا نہیں مل سکتا جو اعلیٰ ترین معیار تہذیب سے فروتر ہو
حسن و عشق، وصل و ہجر، سوز و گداز، حسرت و یاس، جوش و وارفتگی، مسرت و انبساط
غرضکہ ہر طرح کے جذبات نظم کئے گئے ہین لیکن کہین بھی سفیہانہ شوخی، عامیانہ ابتذال
غلامانہ دنارت اور منافقانہ تصنع کا شائبہ تک نہین، اور میرے نزدیک افادیت شاعری
کے لئے اسی قدر کافی ہے، اس سے متجاوز ہونے کے بعد شاعر ''واعظ'' بنجاتا ہے، موجودہ
دور سے کچھ پیشتر شاعری کی نسبت جو نظریہ تھا اس نے شعرا کو تمام اخلاقی ذمہ داریون
سے آزاد کر دیا تھا، بڑے بڑے ''علما و زہاد'' اسس خرابات مین آکر ناچنا فخر سمجھتے تھے
اس قابل نفرت بے اعتدالی نے ردعمل پیدا کیا اور اب موجودہ دور مین یہ نظریہ بالکل
بدل گیا ہے یہان تک کہ اب بعض ارباب نظر کی رائے مین ہر شاعر کا ایک مخصوص صحیفہ،
ایک مستقل مذہب، ایک خاص وحی یا پیام ہونا چاہئے جو اس کے تمام فکر و عمل کا محور ہو،

یعنی بہ الفاظ دیگر ہر شاعر کو ایک مختصر سا نبی ہونا چاہئے، میرے نزدیک یہ تفریط بھی گذشتہ افراط کا لازمی نتیجہ ہے، اور جس طرح پہلا نظریہ مرکز اعتدال سے متجاوز تھا اسی طرح موجودہ نظریہ بھی صحیح نہین،

شاعری ایک فن لطیف ہے جس کا تعلق محض حسیات و جذبات سے ہے ایک شاعر کی زبان سے حالت تاثر مین جو نغمے نکل جاتے ہین وہ خود اس کی قلبی کیفیات کا آئینہ ہوتے ہین اسس کو اس سے کوئی بحث نہین ہے کہ خارج مین اس کے نتائج کیا مترتب ہون گے، کسی مقصد خارجی کو پیش نظر رکھکر شعر کہنا خود مفہوم شعر کے منافی ہے، ایک بلبل ہزار داستان کو کیا خبر کہ عطار اس کے محبوب کا شربت درد بنا کر دام کھرے کرتے ہین، وہ تو محض عاشق گل ہے۔ رنگ و لطافت کی شیدائی ہے، اور صرف ذوق نظر و نغمۂ رنگین اس کا انتہائی نصب العین ہے، خالق باری اور زینت المجالس کے کارآمد ہونے مین کس کو شبہ ہے مگر کیا یہ شاعری ہے؟ دیوان داغ اور زہر عشق کی سمیت اخلاق سے کون انکار کر سکتا ہے مگر کیا یہ صحیح نہین کہ جہان تک نفس شاعری کا تعلق ہے اردو زبان مین دونون بے مثل ہین، اسس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مین اس طرح کی شاعری کو اچھا سمجھتا ہون، مین جانتا ہون کہ یہ رنگین سانپ محض عجائب خانون کی زیب و زینت ہو سکتے ہین، آستین مین پالنے کی چیز نہین ہین، مقصد صرف یہ ہے کہ شاعری

اگر اور حیثیات سے کامل ہو اور ساتھ ہی مخرب اخلاق نہ ہو، بلکہ ضمناً بلندی اخلاق کی روح اس مین موجود ہو تو کمال شاعری کے لئے محض اس قدر کافی ہوگا، کسی مستقل مسئلہ کی تعلیم کمال شاعری کا جزو لازمی نہین ہے البتہ اگر خود شاعر کسی قومی، مذہبی ملکی یا اخلاقی ولولہ سے سرشار ہے تو لازمی طور پر اس کی شاعری مین یہ رنگ نمایان ہوگا،

نفس شاعری کی نسبت عموماً اور کلام اصغر کے متعلق خصوصاً جو میری ناچیز رائے تھی اس کا ایک اجمالی خاکہ بطور بالا مین پیش کر دیا گیا ہے مین اس سے بیخبر نہین ہون کہ نکتہ سنجون کی اصطلاح مین پر گوئی اور یاوہ گوئی مرادف الفاظ ہین مین یہ بھی محسوس کر رہا ہون کہ اصغر کے مختصر اور منتخب مجموعہ کلام پر جو درحقیقت عطر شاعری ہے اس قدر طویل الذیل تبصرہ سخت ممل اور بے جوڑ معلوم ہوگا مگر آپ کو یقین دلانا چاہتا ہون کہ مین نے اپنی جانب سے انتہائی ضبط و ایثار کی کوشش کی ہے، اور بہت سے مباحث کو تشنہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا ہون (بہرحال مجھے اُمید ہے کہ معنویت کی کمی بہت کچھ زیادتی الفاظ کی تلافی کر دیگی) پھر بھی آخر مین اعتذاراً یہ کہکر رخصت ہوتا ہون،:- "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم"،

اقبال احمد سہیل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نعت حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

کچھ اور عشق کا حاصل نہ عشق کا مقصود
جز اینکہ لطفِ خلشہائے نالۂ بے سود

مگر یہ لطف بھی ہے کچھ حجاب کے دم سے
جو اُٹھ گیا کہیں پردہ تو پھر زیاں ہے نہ سود

ہوئے عشق سے چھیڑے تو سازِ ہستی کو
ہر ایک پردہ میں ہے نغمۂ "ہو الموجود"

یہ کون سامنے ہے؟ صاف کہہ نہیں سکتے
بڑے غضب کی ہے نیرنگیٔ طلسمِ نمود

اگر خموش رہوں میں، تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا، کہ ترا حُسن ہو گیا محدود

جو عرض ہے، اِسے اشعار کیوں سمجھ کہیے
اُچھل رہے ہیں جگر پارہ ہائے خوں آلود

نہ میرے ذوقِ طلب کو ہے مُدّعا سے غرض
نہ گامِ شوق کو پروائے منزلِ مقصود

مقامِ جہل کو پایا نہ علم و عرفاں نے
میں بےخبر ہوں باندازۂ فریبِ شہود

مراد جود ہی خود اتقیاد و طاعت ہے
کہ ریشہ ریشہ میں ساری ہے اک جبینِ سجود

ہلائے عشق نہ یوں کائناتِ عالم کو
یہ ذرّے دو نہ اٹھیں سب شرارِ لامقصود

جو اُڑ کے شوق میں یوں محوِ آفتاب ہوا
عجب بلا تھا یہ شبنم کا قطرۂ بے بود

چلوں میں جانِ حزیں کو نثار کر ڈالوں
نہ دیں جو اہلِ شریعت جبیں کو اذنِ سجود

وہ رازِ خلقتِ ہستی، وہ معنیٔ کونین
وہ جانِ حُسنِ ازل، وہ بہارِ صبحِ وجود

وہ آفتابِ حرم، نازنینِ کنجِ حرا،
وہ دل کا نور، وہ اربابِ درد کا مقصود

وہ سرورِ دو جہاں، وہ **محمدِ عربی**
بہ روحِ اعظم و پاکش درود نامحدود

ضیائے حُسن کا ادنیٰ سا یہ کرشمہ ہے
چمک گئی ہے شبستانِ غیب و بزمِ شہود

نگاہِ ناز میں پنہاں ہیں نکتہ ہائے فنا
چھپا ہے خنجرِ ابرو میں رمزِ "لاموجود"

وہ مست شاہدِ رعنا، نگاہ سحر طراز
وہ جامِ نیم شبی نرگسِ خمار آلود

کچھ اس ادا سے مرا اس نے مدعا پوچھا
ڈھلک پڑا مری آنکھوں سے گوہرِ مقصود

ذرا خبر نہ رہی ہوش و عقل و ایماں کی
یہ شعر پڑھ کے وہیں ڈال دی جبینِ سجود

"چو بعد خاک شدن یا زیاں بود یا سود
بہ نقد خاک شوم بنگرم چہ خواہد بود"

(مولانا رومی)

"بے خبری"

ہزار جامہ دری صد ہزار بخیہ گری
تمام شورش و تمکیں نثار بے خبری

سکونِ شورشِ پنہاں ہے شغلِ جامہ دری
قرارِ سینۂ سوزاں ہے نالۂ سحری

مزاجِ عشق بہت معتدل ہے اِن دنوں
جگر میں آگ دہکتی ہے آنکھ میں ہے تری

یہ ڈر ہے ہر بُنِ مو سے لُہو نہ دے نکلے
کچھ ایسے زور پہ ہے آج کاوشِ جگری

جو مُجھ پہ گذری ہے شب بھر وہ دیکھ لے ہمدم
چمک رہا ہے مژہ پر ستارۂ سحری

اُٹھا ہے درد رگِ جاں ہے تشنۂ نشتر
مجھے ہے آج تلاشِ کمالِ چارہ گری

نگاہِ ناز کی کیفیتیں ہیں دل میں وہی
کہ روح تن میں ہے شیشہ میں جس طرح ہو پری

تری نگاہ کے صدقے یہ حال کیا ہے مرا
کمالِ ہوش کہوں یا کمالِ بے خبری

غضب ہوا کہ گریباں ہے چاک ہونے کو
تمھارے حُسن کی ہوتی ہے آج پردہ دری

کہیں ہے عِشق کہیں ہے کشش کہیں حرکت
بھرا ہے خامۂ فطرت میں رنگ فتنہ گری

محال تھا کوئی ہوتا یہاں سوا تیرے
یہ کُل جہان ہے منت پذیر کم نظری

وہ ہر عیاں میں نہاں ہے وہ ہر نہاں میں عیاں
عجیب طرز حجاب و عجیب جلوہ گری

کچھ اس طرح ہوئیں عاجز نوازیاں اُسکی — کہ میری آہ کو ہے اب تلاش بے اثری

نزولِ پیکرِ خاکی پہ روحِ اعظم کا — زہے کمالِ سرافگندگی و بے ہنری

کرم کچھ آج ہے ساقی کا وہ طرب انگیز — کہ جرعہ جرعہ ہے موجِ ترنّمِ سحری

اُس آستاں سے اُٹھائی نہ پھر جبیں میں نے — حرم میں سجدۂ پیہم تھی ایک دربدری

چھپی ہے نیم نگاہی میں روحِ بیتابی — ملی ہے حسنِ تبسم کو ریزشِ شرری

نہ جائیے مری بگڑی ہوئی اداؤں پر — کہ عاشقی میں مرے حسن کی ہے جلوہ گری

جو شوخیوں سے لیا ہے جمالِ بیتابی — تو جوشِ حسن سے پائی ادائے جامہ دری

لئے ہیں زلف سے آشفتگی کے کل انداز — نگاہِ مست سے پہنچا ہے حسن بیخبری

خموش اصغرِ بیہودہ کوش و ہرزہ سرا — کہ حسن و عشق کی اچھی نہیں ہے پردہ دری

بگوش ہوش شنو پند حافظ شیراز — چہ نکتہ ایست بہ طرزِ ترنم شکری

"زہر خبر کہ شنیدی رہے بہ حیرت داشت
ازیں سپس من و ساقی و وضع بیخبری"

سرِفنا

رہا نہ دل میں وہ احساسِ مدعا باقی — نہ روح میں ہے وہ بیتابیٔ دعا باقی

وہ لب پہ شوقِ طلب کی حلاوتیں نہ رہیں | نہ وہ کلام میں رنگینیِ ادا باقی
فسانۂ شبِ ہجراں کی لذتیں نہ رہیں | نہ اب ذرا ہوسِ ظلمِ ناروا باقی
قرار و تمکینِ نگہِ شوق کی ہوئیں رخصت | رہا نہ ولولۂ آہِ نارسا باقی
دلِ حزیں میں تڑپنے کی وہ سکت نہ رہی | نہ تارِ اشک کا اب کوئی سلسلہ باقی
کھٹک کہیں نہ رہی دردِ جاں نواز کی اب | نہ وہ لطیف خلش دل میں اب ذرا باقی
غضب تو یہ ہے کہ ہے سازِ عاشقی خاموش | نہ گفتگو کوئی باقی نہ ماجرا باقی
نہ اب وہ عرضِ مطالب میں شوخیِ عنواں | نہ اب وہ شوق کی نیرنگیِ ادا باقی
رہی نہ وصل کی لذت نہ ہجر کی کلفت | دوا سے درد نہ اب دردِ بے دوا باقی
یہ دیکھنے کی ہیں آنکھیں نظر نہیں آتا | کہ اب نگاہ میں عبرت نہیں ذرا باقی
نہ اب وہ ذوقِ عبادت کی سعیِ لاحاصل | نہ اب وہ لذتِ عصیاں کا ولولہ باقی
نہ وہ بیاضِ حقیقت پہ نقش آرائی | خیال میں نہ رہا رنگِ ماسوا باقی
بڑا غضب یہ دلِ شعلہ آرزو نے کیا | کہ مدعی کا پتہ ہے نہ مدعا باقی
رہا نہ تارِ رگِ جاں میں ارتعاشِ خفی | نہ اب وہ نغمۂ بے لفظ و بے صدا باقی
خبر نہیں ہے کہ کیا حال ہے کہاں ہوں میں | بقا کا ہوش نہ اب مستیِ فنا باقی
جو سب لیا ہے تو یہ سوز و ساز بھی لے لے | یہی رہا ہے کہ اب امتیاز بھی لے لے

مگر یہ دل میں جو شعلہ سا تھرتھراتا ہے   نگاہِ لطف کا شاید ہے آسرا باقی
جو کچھ نہیں نہ سہی دل تو خون ہوتا ہے   کہ عشق کی ہے ابھی شانِ ارتقا باقی

مزہ الم میں ہی کچھ لطف خستگی میں ہے
غرضکہ نشو و نمائے روح کی اسی میں ہے

غزلیات

ادنیٰ سا یہ حیرت کا کرشمہ نظر آیا
جو تھا پس پردہ سر پردہ نظر آیا

پھر میں نظر آیا نہ تماشا نظر آیا
جب تو نظر آیا مجھے تنہا نظر آیا

اللہ رے دیوانگی شوق کا عالم
اک رقص میں ہر ذرۂ صحرا نظر آیا

اُٹھے عجب انداز سے وہ جوش غضب میں
چڑھتا ہوا اک حُسن کا دریا نظر آیا

کس درجہ ترا حُسن بھی آشوب جہاں ہے
جس ذرے کو دیکھا وہ تڑپتا نظر آیا

اب خود ترا جلوہ جو دکھا دے وہ دکھا دے
یہ دیدۂ بینا تو تماشا نظر آیا

تھا لطف جنون دیدۂ خوننابہ فشاں سے
پھولوں سے بھرا دامن صحرا نظر آیا
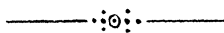
دِل نثار مصطفیٰ جاں پائمال مصطفیٰ
یہ اُویس مصطفیٰ ہیں وہ بلال مصطفیٰ

دونوں عالم تھے مرے حرف دُعا میں غرق محو
میں خدا سے کر رہا تھا جب سوال مصطفیٰ

سب سمجھتے ہیں اسے شمع شبستان حرا
نور ہے کونین کا لیکن جمال مصطفیٰ

عالمِ ناسوت میں اور عالمِ لاہوت میں
کوندتی ہے ہر طرف برقِ جمالِ مصطفےٰ

عظمتِ تنزیہہ دیکھی شوکتِ تشبیہ بھی
ایک حالِ مصطفےٰ ہے ایک قالِ مصطفےٰ

دیکھئے کیا حال کر ڈالے شبِ یلدائے غم
ہاں نظر آئے ذرا صبحِ جمالِ مصطفےٰ

ذرّہ ذرّہ عالمِ ہستی کا روشن ہو گیا
اللہ اللہ شوکت و شانِ جمالِ مصطفےٰ

خوب دن تھے ابتدائے عشق کے
اب دماغِ نالہ و شیون کہاں

اس رُخِ رنگیں سے آنکھیں سینکئے
ڈھونڈھئے اب آتشِ ایمن کہاں

سارے عالم میں کیا تجھکو تلاش
تو ہی بتلا ہے رگِ گردن کہاں

خوب تھا صحرا برائے ذوقِ جنون
پھاڑتے کونت نئے دامن کہاں

شوق سے ہے ہر رگِ جاں جست میں
لے اُڑیگی بوئے پیراہن کہاں

حیران ہے زاہد مری مستانہ ادا سے
سو راہ طریقت کھلی اک لغزشِ پا سے

اک صورتِ اُفتادگی نقشِ فنا ہوں
اب راہ سے مطلب نہ مجھے راہ نما سے

میخانہ کی اک روح مجھے کھینچ کے دیدی
کیا کر دیا ساقی نگہِ ہوش ربا سے

فتنہ سامانیوں کو خو نہ کرے — مختصر یہ کہ آرزو نہ کرے

پہلے ہستی کی ہے تلاش ضرور — پھر جو گم ہو تو جستجو نہ کرے

ماورائے سخن بھی ہے کچھ بات — بات یہ ہے کہ گفتگو نہ کرے

وہ اک دل و دماغ کی شادابئ نشاط — گرنا چمک کے اُف تری برقِ نگاہ کا

وہ لذتِ الم کا جو خوگر سمجھ گئے — اب ظلم مجھ پہ ہے ستم گاہ گاہ کا

شیشے میں موجِ مے کو یہ کیا دیکھتے ہیں آپ — اس میں جواب ہے اسی برقِ نگاہ کا
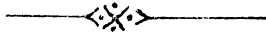
عشق ہی سعی مری عشق ہی حاصل میرا — یہی منزل ہے یہی جادۂ منزل میرا

یوں اڑائے لیے جاتا ہے مجھے دل میرا — ساتھ دیتا نہیں اب جادۂ منزل میرا

اور آ جائے نہ زندانی وحشت کوئی — ہے جنوں خیز بہت شورِ سلاسل میرا

میں سراپا ہوں تمنا ہمہ تن درد ہوں میں — ہر بن مو میں تڑپتا ہے مرے دل میرا

داستاں انکی اداؤں کی ہے رنگیں لیکن — اسمیں کچھ خونِ تمنا بھی ہے شامل میرا

بے نیازی کو تری کچھ بھی پذیرا نہ ہوا — شکرِ اخلاص مرا شکوۂ باطل میرا

ہے ایک ہی جلوہ جو ادھر بھی ہے اُدھر بھی
آئینہ بھی حیران ہے آئینہ نگر بھی

ہو نور پہ کچھ اور ہی اک نور کا عالم
اس رُخ پہ جو چھا جائے مرا کیف نظر بھی

تھا حاصلِ نظارہ فقط ایک تحیُّر
جلوے کو کہے کون کہ اب گم ہے نظر بھی

مستی میں فروغِ رُخِ جاناں نہیں دیکھا
سنتے ہیں بہار آئی گلستاں نہیں دیکھا

زاہد نے مرا حاصلِ ایماں نہیں دیکھا
رخ پر تری زلفوں کو پریشاں نہیں دیکھا

آئے تھے سبھی طرح کے جلوے مرے آگے
میں نے مگر اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

اس طرح زمانہ کبھی ہوتا نہ پُر آشوب
فتنوں نے ترا گوشۂ داماں نہیں دیکھا

ہر حال میں بس پیشِ نظر ہے وہی صورت
میں نے کبھی روئے شبِ ہجراں نہیں دیکھا

کچھ دعویٔ تمکیں میں ہے معذور بھی زاہد
مستی میں تجھے چاک گریباں نہیں دیکھا

روداد چمن سنتا ہوں اس طرح قفس میں
جیسے کبھی آنکھوں سے گلستاں نہیں دیکھا

کیا کیا ہوا ہنگامِ جنوں یہ نہیں معلوم
کچھ ہوش جو آیا تو گریباں نہیں دیکھا

شائستۂ صحبت کوئی اُن میں نہیں اصغرؔ
کافر نہیں دیکھے کہ مسلماں نہیں دیکھا

رخِ رنگیں پہ موجیں ہیں تبسّم ہائے پنہاں کی
شعاعیں کیا پڑیں نکہت نکھر آئی گلستاں کی

نقاب اُس نے اُلٹکر یہ حقیقت ہے عُریاں کی
یہیں پر ختم ہو جاتی ہیں بحثیں کفر و ایماں کی

روانی رنگ لائی دیدۂ خونناب افشاں کی
اُتر آئی ہے اک تصویر دامن پر گلستاں کی

حقیقت کھولدیتا میں جنوں کے رازِ پنہاں کی
قسم دیدی ہے لیکن قیدیوں نے چاک گریباں کی

مری اک بیخودی میں سینکڑوں ہوش و خرد گم ہیں
یہاں کے ذرّہ ذرّہ میں ہے وسعت اک بیاباں کی

مجھی سے بگڑے رہتے ہیں مجھی پر ہے عتاب اُنکا
ادائیں چھپ نہیں سکتیں نوازشہائے پنہاں کی

اسیرانِ بلا نے آہ کچھ اس درد سے کھینچی
نگہبان چیخ اُٹھے ہلگئی دیوار زنداں کی

نگاہ یاس و آہ عاشقان و نالۂ بلبل
معاذ اللہ کتنی صورتیں ہیں اُنکی پیکاں کی

اسیرانِ بلا کی حسرتوں کو آہ کیا کہئے
تڑپ کے ساتھ اونچی ہو گئی دیوار زنداں کی

ادھر وہ خندۂ گلہائے رنگیں صحنِ گلشن میں
اُدھر اک آگ لگنا وہ بلبل کے نشیمن میں

بن آئی بادہ نوشوں کی بہار آئی ہے گلشن میں
لبِ جو ڈھل رہی ہے بھر رہے ہیں پھول دامن میں

تپش جو شوق میں تھی وصل میں بھی ہے وہی مجھکو
چمن میں بھی وہی اک آگ ہے جو تھی نشیمن میں

مری وحشت پہ بحث آرائیاں اچھی نہیں ناصح!
بہت سے باندھ رکھے ہیں گریباں میں نے دامن میں

الٰہی کون سمجھے میری آشفتہ مزاجی کو
قفس میں چین آتا ہے نہ راحت ہے نشیمن میں

بہار آتے ہی وہ ایکبارگی میرا تڑپ جانا
وہ جا پڑنا قفس کا آپ سے آپ اُڑ کے گلشن میں

ابھی اک موجِ مے اٹھی تھی مینائے میں آدا غلط — ابھی اک برق چمکی تھی مرے وادی ایمن میں

عشوؤں کی ہے نہ اس نگہ فتنہ زا کی ہے — ساری خطا مرے دلِ شورش ادا کی ہے

مستانہ کر رہا ہوں رہِ عاشقی کو طے — کچھ ابتدا کی ہے نہ خبر انتہا کی ہے

کھلتے ہی پھول باغ میں پژمردہ ہو چلے — جنبش رگِ بہار میں موجِ فنا کی ہے

ہم خستگانِ راہ کو راحت کہاں نصیب — آواز کان میں ابھی بانگِ درا کی ہے

ڈوبا ہوا سکوت میں ہے جوشِ آرزو — اب تو یہی زبان مرے مدعا کی ہے

لطفِ نہانِ یار کا مشکل ہے امتیاز — رنگت چڑھی ہوئی ستمِ برملا کی ہے

جلوۂ رنگیں اتر آیا نگاہ شوق میں — ہم لطافت جسم کی اسے سیم تن دیکھا کئے

شیوۂ منصور تھا اہل نظر کو بھی گراں — پھر بھی کس حسرت سے سب دار و رسن دیکھا کئے

دشت غربت کی طرف اک آہ بھر کر حسرت کی — گرد کو پھر دور ہی اہل وطن دیکھا کئے

بلبل و گل میں جو گذری ہمکو اس سے کیا غرض — ہم تو گلشن میں فقط رنگِ چمن دیکھا کئے

دوڑتے پھرتے تھے جلوے ان کے موجِ نور میں — دور سے ہم رازِ شمعِ انجمن دیکھا کئے

شعورِ غم نہ ہو فکرِ مآل کار نہ ہو
قیامتیں بھی گذر جائیں ہوشیار نہ ہو

وہ دستِ ناز جو معجز نمائیاں کرے
لحد کا پھول چراغ سرِ مزار نہ ہو

اُٹھاؤں کیا وہ ہستی جو ہو جہان خراب
سناؤں راز حقیقت جو خوفِ دار نہ ہو

ہر اک جگہ تری برق نگاہ دوڑ گئی
غرض یہ ہے کہ کسی چیز کو قرار نہ ہو

یہ دیکھتا ہوں ترے زیر لب تبسم کو
کہ بحرِ حسن کی اک موج بیقرار نہ ہو

خزاں میں بلبل بیکس کو ڈھونڈھتے چلکر
وہ برگ خشک کہیں زیب شاخسار نہ ہو

سمجھ میں برق سرِ طور کس طرح آئے
جو موج بادہ میں ہیجان انتشار نہ ہو

دکھا دے بیخودی شوق وہ سماں مجھ کو
کہ صبح وصل نہ ہو شام انتظار نہ ہو

نگاہ شوق کو یارائے سیر دید نہ ہو
جو ساتھ ساتھ تجلی حسن یار نہ ہو

ذرا سے پردۂ محمل کی کیا حقیقت تھی
غبار قیس کہیں خود ہی پردہ دار نہ ہو

اس کا وہ قدِ رعنا اُس پہ وہ رخ رنگیں
نازک سا سرِ شاخ اک گویا گلِ تر دیکھا

تم سامنے کیا آئے اک طرفہ بہار آئی
آنکھوں نے مری گویا فردوس نظر دیکھا

ہر ذرے میں صحرا کے بیتاب نظر آئی
لیلی کو بھی مجنوں نے یوں خاک بسر دیکھا

مستی سے ترا جلوہ خود عرض تماشا ہے
آشفتہ مزاجوں کا یہ کیف نظر دیکھا

ہاں وادیٔ ایمن کے معلوم ہیں سب قصے
موسیٰ نے فقط اپنا اک ذوق نظر دیکھا

عشق کی بیتابیوں پر حسن کو رحم آگیا
جب نگاہِ شوق تڑپی پردۂ محمل نہ تھا

تھیں نگاہِ شوق کی رنگینیاں چھائی ہوئی
پردۂ محمل اٹھا تو صاحب محمل نہ تھا

پھر ذرا تھوڑی سی بھی غفلت طریقِ عشق میں
آنکھ جھپکی قیس کی اور سامنے محمل نہ تھا

اک عالم حیرت ہے فنا ہے نہ بقا ہے
حیرت بھی یہ حیرت ہے کہ کیا جانئے کیا ہے

سو بار جلا ہے تو یہ سو بار بنا ہے
ہم سوختہ جانوں کا نشیمن بھی بلا ہے

ہونٹوں پہ تبسم ہے کہ اک برق بلا ہے
آنکھوں کا اشارہ ہے کہ سیلاب فنا ہے

سنتا ہوں بڑے غور سے افسانۂ ہستی
کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرز ادا ہے

ہے تیرے تصور سے یہاں نور کی بارش
یہ جانِ حزیں ہے کہ شبستانِ حرا ہے

ایک مشتِ خاک کا کیا ہو بیانِ اضطراب
ذرے ذرے میں نہاں ہے اک جہانِ اضطراب

جانتے ہیں وہ ادائیں اس دلِ بیتاب کی
ان سے بڑھ کر کون ہوگا نکتہ دانِ اضطراب

ناصحِ مشفق مگر یونہی تڑپنے دے مجھے
مجھ کو بھی معلوم ہے سود و زیانِ اضطراب

ذرّے ذرّے کو ہے جنبش انکے برقِ حسن سے
اڑ نہ جائے ایک دن یہ خاکدانِ اضطراب

دونوں عالم کو تہ و بالا نہ کر ڈالیں کہیں
آپکا اندازِ شوخی میری شانِ اضطراب

کس نے پہلو میں مرے لاکر بٹھایا ہے مجھے
او دلِ شوریدہ اُلفت نشانِ اضطراب

یہ بھی فریب سے ہیں کچھ دردِ عاشقی کے
ہم مر کے کیا کریں گے کیا کر لیا ہے جی کے

محسوس ہو رہے ہیں بادِ فنا کے جھونکے
کھلنے لگے ہیں مجھ پر اسرار زندگی کے

شرح و بیانِ غم ہے اک مطلبِ مقیّد
خاموش ہوں کہ معنی صدہا ہیں خامشی کے

بارِ الم اٹھایا رنگِ نشاط دیکھا
آئے نہیں ہیں یونہی انداز بے حسی کے

سب کی بقدرِ حوصلۂ دل نظر میں ہے
جلوہ تمہارا ذوقِ طلب کے اثر میں ہے

قیدِ قفس میں طاقتِ پرواز اب کہاں
رعشہ سا کچھ ضرور ابھی بال و پر میں ہے

تم باخبر ہو جاننے والوں کے حال سے
سب کی نظر کا راز تمہاری نظر میں ہے

تقدیر کس کے خرمنِ ہستی کی کھل گئی
طوفان بجلیوں کا تمہاری نظر میں ہے

مجھکو جلا کے گلشنِ ہستی نہ پھونک دے
وہ آگ جو دبی ہوئی مجھ مشتِ پر میں ہے

ہر ادائے حسن آئینے میں آتی ہے نظر
یعنی خود کو دیکھتے ہیں مجھکو حیران دیکھکر

ذرے ذرے سے نمایاں ہے تجلائے قدم
ہوش گم ہیں وسعت صحرائے امکاں دیکھکر

کچھ غنیمت ہو گئی یہ پردہ ہائے آب و رنگ
حسن کو یوں کون رہ سکتا تھا عریاں دیکھکر

بے تکلف ہوکے مجھسے سب اٹھا ڈالے حجاب
شاہد دیر و حرم نے مست و حیران دیکھکر

آج خون گشتہ تمنائیں مجھے یاد آ گئیں
ہر طرف ہنگامۂ جوش بہاراں دیکھکر

گر پڑی خود روح قید عنصری میں ٹوٹکر
لذت ذوق فنا ہر سو فراواں دیکھکر

پھر گئی آنکھوں کے نیچے ڈاد آبرق حسن
چیخ اٹھے سب مرا چاک گریباں دیکھکر

ترے جلووں کے آگے ہمت شرح بیاں رکھدی
زبان بے نگہ رکھدی نگاہ بے زباں رکھدی

مٹی جاتی تھی بلبل جلوۂ گلہائے رنگیں پر
چھپا کر کس نے ان پردوں میں برق آشیاں رکھدی

نیاز عشق کو سمجھا ہے کیا اے واعظ ناداں
ہزاروں بن گئے کعبے جبیں میں نے جہاں رکھدی

قفس کی یاد میں یہ اضطراب دل معاذ اللہ
کہ میں نے توڑکر ایک ایک شاخ آشیاں رکھدی

کرشمے حسن کے پنہاں تھے شاید رقص بسمل میں
بہت کچھ سوچکر ظالم نے تیغ خونفشاں رکھدی

الٰہی کیا کیا تو نے کہ عالم میں تلاطم ہے
غضب کی ایک مشت خاک زیر آسماں رکھدی

گرمِ تلاش و جستجو اب ہی تری نظر کہاں — خون ہی کچھ جما ہوا قلب کہاں جگر کہاں
ہی یہ طریقِ عاشقی چاہیئے اس میں بیخودی — اسمیں چنان چنیں کہاں اس میں اگر مگر کہاں
زلف تھی جو بکھر گئی رُخ تھا کہ جو نکھر گیا — ہائے وہ شام اب کہاں ہائے وہ اب سحر کہاں
کیجئے آج کسطرح دوڑ کے سجدۂ نیاز — یہ بھی تو ہوش اب نہیں پانو کہاں ہی سر کہاں
ہائے وہ دن گذر گئے جوششِ اضطراب کے — نیند قفس میں آ گئی اب غمِ بال و پر کہاں
ہوش و خرد کے پھیر میں عمرِ عزیز صرف کی — رات تو کٹ گئی یہاں دیکھئے ہو سحر کہاں

صرف اک سوز تو مجھ میں ہی مگر ساز نہیں — میں فقط درد ہوں جسمیں کوئی آواز نہیں
مجھسے جو چاہئے وہ درسِ بصیرت لیجئے — میں خود آواز ہوں میری کوئی آواز نہیں
پھر یہ سب شورش و ہنگامۂ عالم کیا ہی — اسی پردے میں اگر حسن جنوں ساز نہیں
آتشِ جلوۂ محبوب نے سب پھونک دیا — اب کوئی پردہ نہیں پردہ برانداز نہیں

اسرارِ عشق ہے دلِ مضطر لیے ہوئے — قطرہ ہی بے قرار سمندر لیے ہوئے
آشوبِ دہر و فتنۂ محشر لیے ہوئے — پہلو میں لیٹی ہوں دلِ مضطر لیے ہوئے
موجِ نسیمِ صبح کے قربان جائیے — آئی ہے بوئے زلفِ معنبر لیے ہوئے

کیا مستیاں چمن میں ہیں جوشِ بہار سے — ہر شاخِ گُل ہے ہاتھ میں ساغر لیے ہوئے
قاتل نگاہِ یاس کی زد سے نہ بچ سکا — خنجر تھے ہم بھی اک تہِ خنجر لیے ہوئے
خیرہ کیے ہے چشمِ حقیقت شناس کو — ہر ذرّہ ایک مہرِ منور لیے ہوئے
پہلی نظر بھی آپکی اُف کس بلا کی تھی — ہم آج تک وہ چوٹ ہیں دل پر لیے ہوئے
تصویر ہے کھنچی ہوئی ناز و نیاز کی — میں سر جھکائے اور وہ خنجر لیے ہوئے
صہبائے تند و تیز کو ساقی سنبھالنا — اُچھلے کہیں نہ شیشہ و ساغر لیے ہوئے
میں کیا کہوں کہاں ہے محبت کہاں نہیں — رگ رگ میں دوڑی پھرتی ہے نشتر لیے ہوئے
نام اُنکا آگیا کہیں ہنگامِ بازپرس — ہم تھے کہ اڑ گئے صفِ محشر لیے ہوئے
اصغر حریمِ عشق میں ہستی ہی جرم ہے — رکھنا کبھی نہ پاؤں یہاں سر لیے ہوئے

نہ یہ شیشہ نہ یہ ساغر نہ یہ پیمانہ بنے — جانِ میخانہ تری نرگسِ مستانہ بنے
مرتے مرتے نہ کبھی عاقل و فرزانہ بنے — ہوش رکھتا ہو جو انسان تو دیوانہ بنے
پرتوِ رخ کے کرشمے تھے سرِ راہ گذر — ذرّے جو خاک سے اُٹھے وہ صنم خانہ بنے
موجِ صہبا سے بھی بڑھ کر ہوں ہوا کے جھونکے — ابر یوں جھوم کے چھا جائے کہ میخانہ بنے
کارفرما ہے فقط حسن کا نیرنگِ کمال — چاہے وہ شمع بنے چاہے وہ پروانہ بنے

چھوڑ کر یوں در محبوب چلا صحرا کو — ہوش میں آئے ذرا قیس نہ دیوانہ بنے
خاک پروانے کی برباد نہ کر باد صبا — یہی ممکن ہے کہ کل تک مرا افسانہ بنے
جرعۂ مے تری مستی کی ادا ہو جائے — موج صہبا تری ہر لغزش مستانہ بنے
اسکو مطلوب ہیں کچھ قلب و جگر کے ٹکڑے — جیب و دامن نہ کوئی پھاڑ کے دیوانہ بنے
رند جو ظرف اٹھالیں وہی ساغر بن جائے — جس جگہ بیٹھ کے پی لیں وہی میخانہ بنے
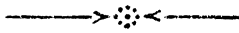
گم کر دیا ہے دید نے یوں سر بسر مجھے — ملتی ہے اب انھیں سے کچھ اپنی خبر مجھے
نالوں سے میں نے آگ لگا دی جہان میں — صیاد جانتا تھا فقط مشت پر مجھے
اللہ رے انکے جلوے کی حیرت فزائیاں — یہ حال ہے کہ کچھ نہیں آتا نظر مجھے
مانا حریم ناز کا پردہ بلند ہے — لیجائیگا اچھال کے درد جگر مجھے
ایسا کہ تھا کعبے کا جسے راز ہو سپرد — اہل حرم میں کوئی نہ آیا نظر مجھے
کیا درد ہجر اور یہ کیا لذت وصال — اس سے بھی کچھ بلند ملی ہے نظر مجھے
مست شباب وہ ہیں میں سرشار عشق ہوں — میری خبر انھیں ہے نہ اُن کی خبر مجھے
جب اصل اس مجاز و حقیقت کی ایک ہے — پھر کیوں پھرا رہے ہیں اُدھر سے اِدھر مجھے

سامنے اُنکے تڑپ کر اس طرح فریاد کی … میں نے پوری شکل دکھلا دی دلِ ناشاد کی

اب یہی ہے وجہ تسکین خاطرِ ناشاد کی … زندگی میں نے دیارِ حسن میں برباد کی

ہوش پر بجلی گری آنکھیں بھی خیرہ ہوگئیں … تم تو کیا تھی اک جھلک سی تھی تمہاری یاد کی

چل دیا مجنوں تو صحرا سے کسی جانب مگر … اک صدا گونجی ہوئی ہے نالۂ و فریاد کی

نغمۂ پر درد چھیڑا میں نے اس انداز سے … خود بخود مجھ پر نظر پڑنے لگی صیّاد کی

دل ہوا مجبور جس دم اشک حسرت بنگیا … روح جب تڑپی تو صورت بنگئی فریاد کی

اس حریمِ قدس میں کیا لفظ و معنی کا گذر … پھر بھی سب باتیں پہنچتی ہیں لبِ فریاد کی

تمتما اُٹھے وہ عارض میرے عرضِ شوق پر … حسن جاگ اُٹھا ہے جب عشق نے فریاد کی

آشیاں میں اب کسی صورت نہیں پڑتا ہے چین … تھی نظرِ تاثیر میں ڈوبی ہوئی صیّاد کی

شعر میں رنگینیٔ جوشِ تخیّل چاہیئے … مجھکو اصغرؔ کم ہے عادت نالۂ و فریاد کی

سرشکِ شوق کا وہ ایک قطرۂ ناچیز … اُچھالنا تھا کہ اک بحرِ بے کنار ہوا

ادائے عشق کی تصویر کھینچ گئی پوری … وفورِ جوش سے یوں حسن بیقرار ہوا

بہت لطیف اشارے تھے چشمِ ساقی کے … نہ میں ہوا کبھی بیخود نہ ہوشیار ہوا

لئے پھری نگہِ شوق سارے عالم میں … شدید جلوۂ حسن آج بے قرار ہوا

جہاں بھی میری نگاہوں سے ہو چلا معدوم　　　ارے بڑا غضب اے چشم سحر کار ہوا
مری نگاہوں نے جھک جھک کے کر دیے سجدے　　　جہاں جہاں سے تقاضائے حسن یار ہوا
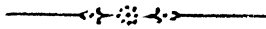
ذوق سرمستی کو محو روئے جاناں کر دیا　　　کفر کو اسطرح چمکایا کہ ایماں کر دیا
تونے یہ اعجاز کیا اے سوز پنہاں کر دیا　　　اس طرح پھونکا کہ آخر جسم کو جاں کر دیا
جسپہ میری جستجو نے ڈال رکھے تھے حجاب　　　بیخودی نے اب اسے محسوس عریاں کر دیا
کچھ نہ ہمسے ہو سکا اس اضطراب شوق میں　　　اُن کے دامن کو مگر اپنا گریباں کر دیا
رکھدیئے دیر و حرم سرمار نے کیواسطے　　　بندگی کو بے نیاز کفر و ایماں کر دیا
عارض نازک پہ اُنکے رنگ سا کچھ آگیا　　　اِن گلوں کو چھیڑ کر ہمنے گلستاں کر دیا
اِن بتوں کی صورت زیبا کو اصغر کیا کہوں　　　پر خدا نے وائے ناکامی مسلماں کر دیا

ہوش کسی کا بھی نہ رکھ جلوہ گہ ناز میں　　　بلکہ خدا کو بھول جا سجدۂ بے نیاز میں
راز نشاط خلد ہی خندۂ دل نواز میں　　　غیب و شہود کے رموز نرگس نیم باز میں
آج جو اضطراب شوق حد سے سوا گذر گیا　　　اور بھی جان پڑ گئی عشوۂ جاں گداز میں
اس سے زیادہ اور کیا شوخیٔ نقش پا کہوں　　　برق سی اک چمک گئی آج سر نیاز میں

آتشِ گل سے ہر طرف دشت و چمن دہک اٹھا
ایک شرار طور ہی خلوتیانِ راز میں

ہوش و خرد کے ساتھ ساتھ جانِ حزیں بھی سوختہ ہے
آگ سی ہی بھری ہوئی سینۂ نے نواز میں

پردۂ دہر کچھ نہیں ایک ادائے شوخ ہی
خاک اٹھا کے ڈالدی دیدۂ امتیاز میں

اے دلِ شوخ حیلہ جو زیرِ کمین رنگ و بو
طائرِ قدس کو بھی لے دامگہِ مجاز میں
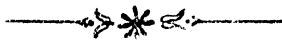
سب ہے ادائے بیخودی ورنہ ادائے حسن کیا
ہوش کا جب گذر نہیں اسکی حریم ناز میں

جو شجر باغ میں ہے وہ شجرِ طور ہے آج
پتے پتے میں جو دیکھا تو وہی نور ہے آج

شورشِ دل جو وہ ہوتی تھی بدستور ہے آج
نہیں معلوم وہ نزدیک ہے یا دور ہے آج

فصلِ گل جوشِ نمو طلعتِ زیبائے بہار
عرض دیدار پہ یک جلوۂ مستور ہے آج

میں نے خاکسترِ دل میں نہیں دیکھا جس کو
وہی ذرہ تو ہے جو برق سرِ طور ہے آج

نہیں معلوم یہاں واردِ رسن ہے کہ نہیں
ہزاروں میں گرمیِ ہنگامۂ منصور ہے آج

جس سے کل تک دلِ بیتاب پھنکا جاتا تھا
اسی شعلہ کو جو دیکھا تو سرِ طور ہے آج

سب گھیر لیا جلوۂ حسنِ بشری نے
پایا ہے سرِ عرش بھی سیرِ نظری نے

افتادگیِ راہ کی منزل کو نہ سمجھا
آخر نہ دیا ساتھ مرا ہمسفری نے

اس جلوۂ بے کیف سے محروم ہی رکھا | کمبخت کبھی ہوش کبھی بیخبری نے
کس شان سے پردے کو ہٹایا ہے تڑپ کر | ناکامیِ پرِ درِ حجابِ بشری نے

آنکھوں میں تیری بزم تماشا لئے ہوئے | جنت میں بھی ہوں جنتِ دنیا لئے ہوئے
پاسِ ادب میں جوشِ تمنا لئے ہوئے | میں بھی ہوں اک حباب میں دریا لئے ہوئے
ہے آرزو کہ آئے قیامت ہزار بار | فتنہ طرازیِ قدِ رعنا لئے ہوئے
طوفانِ ناز اور پریشاں غبارِ قیس | شانِ نیازِ محملِ لیلا لئے ہوئے
پھر دل میں التفات ہوا انکے جا گزیں | اک طرزِ خاصِ رنجشِ بیجا لئے ہوئے
پھر ان لبوں پہ موجِ تبسم ہوئی عیاں | سامانِ جوشِ رقصِ تمنا لئے ہوئے
صوفی کو ہے مشاہدہ حق کا ادعا | صدہا حجابِ دیدۂ بینا لئے ہوئے
صدہا تو لطفِ مے سے بھی محروم رہ گئے | یہ امتیازِ ساغر و مینا لئے ہوئے
مجھ کو نہیں ہے تابِ خلشہائے روزگار | دل ہے نزاکتِ غمِ لیلا لئے ہوئے
تو برقِ حسن اور تجلی سے یہ گریز | میں خاک اور ذوقِ تماشا لئے ہوئے
افتادگانِ عشق نے سر اب تو رکھدیا | اٹھیں گے بھی تو نقشِ کفِ پا لئے ہوئے
رگ رگ میں اور کچھ نہ رہا جز خیالِ دوست | اس شوخ کو ہوں آج سراپا لئے ہوئے

دل مبتلائے مائل تمکین اتقا — جام شراب نرگس رسوائی ہوئے
سرمایہ حیات ہے حرمان عاشقی — ہے ساتھ ایک صورت زیبائی ہوئے
جوش جنوں میں چھوٹ گیا آستان یار — روتے ہیں منہ پہ دامن صحرائی ہوئے
اصغر ہجوم درد غریبی میں اس کی یاد — آئی ہے اک طلسم تمنائی ہوئے

ہے دل ناکام عاشق میں تمھاری یاد بھی — یہ بھی کیا گھر ہے کہ ہے برباد بھی آباد بھی
دل کے مٹنے کا مجھے کچھ اور ایسا غم نہیں — ہاں مگر اتنا کہ ہے اس میں تمھاری یاد بھی
کس کو یہ سمجھائیے نیرنگ کار عاشقی — تھم گئے اشک مسلسل رک گئی فریاد بھی
سینے میں درد محبت راز بنکر رہ گیا — اب وہ حالت ہے کہ کر سکتے نہیں فریاد بھی
کچھ تو اصغر مجھ میں ہے قائم ہے جس سے زندگی — جان بھی کہتے ہیں اسکو اور انکی یاد بھی

سرگرم تجلی ہو اے جلوۂ جانانہ — اڑ جائے دھواں بنکر کعبہ ہو کہ بتخانہ
یہ دین وہ دنیا ہے یہ کعبہ وہ بتخانہ — اک اور قدم بڑھ کر اے ہمت مردانہ
قربان ترے میکش ہاں اے نگہ ساقی — تو صورت مستی ہے تو معنی میخانہ
بیتک نہیں دیکھا ہے کیا اس رخ خنداں کو — اک تار شعاعی سے الجھا ہے جو پروانہ

مانا کہ بہت کچھ ہے یہ گرمیِ حسنِ شمع
اس سے بھی زیادہ ہے سوزِ غمِ پروانہ

زاہد کو تعجب ہے، صوفی کو تحیّر ہے
صد رشکِ طریقت ہے، یہ لغزشِ مستانہ

اک قطرۂ شبنم پر خورشید ہے عکس آرا،
یہ نیستی و ہستی افسانہ ہے افسانہ

انداز ہیں جذب اُن میں سب شمعِ شبستاں کے
اک حُسن کی دنیا ہے خاکسترِ پروانہ

ہر جنبشِ نگاہ تری جانِ آرزو
موجِ خرامِ ناز ہے ایمانِ آرزو

جلوے تمام حُسن کے آکر سما گئے
اللہ رے یہ وسعتِ دامانِ آرزو

میں اک چراغِ کشتہ ہوں شامِ فراق کا
نو نو بہارِ صبحِ گلستانِ آرزو

اس میں وہی ہیں یا مرا حُسنِ خیال ہے
دیکھوں اُٹھا کے پردۂ ایوانِ آرزو

اک راز ہے تبسمِ غمناک ہجر میں
ہے اک طلسمِ گریۂ خندانِ آرزو

اب طور پر وہ برقِ تجلی نہیں رہی
تھرا رہا ہے شعلۂ عریانِ آرزو

اسکی نگاہِ ناز نے چھیڑا کچھ اس طرح
ابتک اُچھل رہی ہے رگِ جانِ آرزو

اس نو بہارِ ناز کی صورت کی ہو بہو
تصویر ایک ہے تہِ دامانِ آرزو

چاہا جہاں سے منظرِ فطرت بدل دیا
ہے کل جہان تابعِ فرمانِ آرزو

کوثر کی موج تھی تری ہر جنبشِ خرام
شاداب ہو گیا چمنستانِ آرزو

جانِ بلبل کا خزاں میں نہیں پرساں کوئی — اب چمن میں نہ رہا شعلۂ عریاں کوئی

بے محابا ہوا گر حسن تو وہ بات کہاں — چھپ کے جس شان سے ہوتا ہے نمایاں کوئی

نرمیٔ گل سے لپٹ کر وہیں مرجانا تھا — اب کرے کیوں گلۂ تنگیٔ داماں کوئی

کیا مرے حال پہ سچ مچ انھیں غم تھا قاصد! — تو نے دیکھا تھا ستارہ سرِ مژگاں کوئی

اشک خونیں ہے کہیں نالۂ رنگیں ہے کہیں — ہر نفس میں اتر آتا ہے گلستاں کوئی

پردۂ لالہ و گل بھی ہے بلا کا خونریز — اب زیادہ نہ کرے حسن کو عریاں کوئی

اپنے انداز پہ ہو شاہد فطرت بیخود — رکھ دے آئینہ اگر دیدۂ حیراں کوئی

کیا کرے زاہد بیچارہ اسے کیا معلوم — رحم کرتا ہے باندازۂ عصیاں کوئی

دل میں اک بوند لہو کی نہیں رونا کیسا — اب ٹپکتا نہیں آنکھوں سے گلستاں کوئی

شعلۂ طور کو دیکھا ہے تو وجد کرتے — شب کو جب رقص میں آجاتا ہے ارماں کوئی

دل کا ہر داغ ہے سرمایۂ رنگینیٔ حسن — دیکھنا ہوگا اسی میں مہ کنعاں کوئی

لطف ہر طرح کا ہے دشتِ جنوں میں لیکن — پھاڑنے کو نہیں ملتا ہے گریباں کوئی

اب یہ ہوش کہاں یا میں کہ جنوں اے اصغر — مجھ کو ہر تار میں ملتا ہے گریباں کوئی

پردۂ حرماں میں آخر کون ہے اس کے سوا — اے خوشا درد کہ نزدیکی بھی ہے دوری بھی ہے

حسرتِ ناکام میری کام سے غافل نہیں
اک طریقِ جستجو یہ دردِ مہجوری بھی ہے

میں تو ان محجوبیوں پر بھی سراپا دید ہوں
اس کے جلوے کی ادا اک شانِ مستوری بھی ہے

میری محرومی کے اندر سے یہ دی اٹھی صدا
قرب کی راہوں میں میری راہ اک دوری بھی ہے

قلب پر اب تک تڑپتی ہے شعاعِ برقِ طور
خون کے قطروں میں اب تک رقصِ منصوری بھی ہے

تو وہ قاتل ہے کہ ہر وار ترا رحمت سے ہے
میں وہ زخمی ہوں کہ ہر زخم ہے اک تازہ علاج

چشمِ پرشوق کو گو حسن سے پہنچی ہے ضیا
حسن کا رنگ بھی ہے ذوقِ نظر کا محتاج

جس میں ہر روز نئے رنگ سے آتی تھی بہار
ہو گیا وہ چمنستانِ تمنا تاراج

فائدہ کیا کہ ترے عشق کو بدنام کروں
میں ازل ہی سے ہوں دل بستۂ آزار مزاج

انتہا دید کی یہ ہے کہ نہ کچھ آئے نظر
کیف بیرنگیِ حیرت ہے نظر کی معراج

صاف کہتا ہے کہ میں کیا ہوں فقط دریا ہے
کس قدر شوخ ہے ہر قطرۂ منصور مزاج

ہے آتشِ بیتابی کچھ خرمنِ ہستی میں
اک برقِ بلا بنکر تاثیرِ دعا آئی

ہنگامِ سیہ مستی یہ فکرِ فلک پیما
اک ایک ستارے کو آئینہ دکھا آئی

بیدار ہوا منظر اس مست خرامی سے
غنچوں کی کھلیں آنکھیں دامن کی ہوا آئی

اس عارضِ رنگیں پہ عالم وہ نگاہوں کا — معلوم یہ ہوتا ہے پھولوں میں صبا آئی
مجنوں کی نظر میں بھی شاید کوئی لیلیٰ ہو — ایک ایک بگولے کو دیوانہ بنا آئی
اک شورِ انا لیلیٰ خلقت نے سنا لیکن — پھر نجد کے صحرا سے کوئی نہ صدا آئی

آج پھر حسنِ حقیقت کو نمایاں کر دیں — ظلمتِ کفر کو خالِ رخِ ایماں کر دیں
نالۂ غم سے حقیقت کو نمایاں کر دیں — نے کو اس طرح سے چھیڑیں کہ نیستاں کر دیں
بند ہو آنکھ سے منظرِ فطرت کا حجاب — لاؤ اک شاہدِ مستور کو عریاں کر دیں
خاک کر دیں تپشِ عشق سے ساری ہستی — پھر اسی خاک کو خاکِ درِ جاناں کر دیں
رحمتِ حق نے بہت دیکھ لی ایماں کی بہار — اب ذرا سامنے رعنائیِ عصیاں کر دیں
کر لیا جائزۂ ہستیِ عالم سارا — اُس پہ اب پھر تری دیدۂ حیراں کر دیں
دیر کی راہ نہ ملتی ہو تو کعبہ ہی سہی — کفر جب کفر نہ بنتا ہو تو ایماں کر دیں
جانِ بیتاب یہ وہ چوٹ تری یاد کی دیں — نفسِ بازپسیں کو بھی فروزاں کر دیں
نہ ہوا دل کو اگر ذوقِ عبادت نہ سہی — اب سے صرفِ رہِ لذتِ عصیاں کر دیں
پھر ہر اک دردِ الم آج بنے وجہِ نشاط — دل کے ہر داغ کو پھر شمعِ شبستاں کر دیں

نہ کھلے عقدہائے ناز و نیاز ۔ حسن بھی راز اور عشق بھی راز
راز کی جستجو میں مرتا ہوں ۔ اور میں خود ہوں ایک پردۂ راز
بال و پر میں مگر کہاں پائیں ۔ بوئے گل یعنی ہمت پرواز
ساز دل کیا ہوا وہ ٹوٹا سا ۔ ساری ہستی ہے گوش بر آواز
لذت سجدہ ہائے شوق نہ پوچھ ۔ ہائے وہ اتصال ناز و نیاز
دیکھ رعنائی حقیقت کو ۔ عشق نے پھر دیا ہے رنگ مجاز
ساز ہستی کا جائزہ کیسا ۔ تار کیا دیکھ تار کی آواز
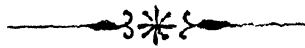
وہ نظر اسکی جو ہے موجب صد روح حیات ۔ مجھ تک آئے تو وہی تیر قضا ہو جائے
ہے تلون سے ترے جلوۂ نیرنگ حیات ۔ میں تو مرجاؤں جو امید وفا ہو جائے
لالہ و گل پہ جو ہر قطرۂ شبنم کی بہار ۔ رخ رنگیں پہ جو آئے تو حیا ہو جائے
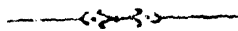
پاتا نہیں جو لذت آہ سحر کو میں ۔ پھر کیا کروں گا لیکے الٰہی اثر کو میں
آشوب گاہ حشر مجھے کیوں عجیب ہو ۔ جب آج دیکھتا ہوں تری رہگذر کو میں
ایسا بھی ایک جلوہ تھا اسمیں چھپا ہوا ۔ اس رخ پہ دیکھتا ہوں اب اپنی نظر کو میں

جینا بھی آگیا ہے مجھے مرنا بھی آ گیا ،
پہچاننے لگا ہوں تمہاری نظر کو میں

وہ شوخیوں سے جلوہ دکھا کر تو چل دیئے
انکی خبر کو جاؤں کہ اپنی خبر کو میں

آہوں نے میری خرمن ہستی جلا دیا
کیا منہ دکھاؤں گا تری برق نظر کو میں

باقی نہیں جو اذیت بیداری فنا
پھر کیا کروں گا زندگی بے اثر کو میں

اصغر مجھے جنوں نہیں لیکن یہ حال ہے
گھبرا رہا ہوں دیکھ کے دیوار و در کو میں

کیا کہیئے جاں نوازی پیکانِ یار کو
سیراب کر دیا دلِ منت گذار کو

جوشِ شباب نشۂ صہبا ہجومِ شوق
تعبیر یوں بھی کرتے ہیں فصلِ بہار کو

ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا
یونہی نہ جانیئے مرے مشتِ غبار کو

میرے مذاقِ شوق کا اس میں بھرا ہے رنگ
میں خود کو دیکھتا ہوں کہ تصویرِ یار کو

ہاں اے نگارِ خوبی و اے جانِ دلبری
تو نے حیات بخشی ہے صبحِ بہار کو

اس جوئبارِ حسن سے سیراب ہے فضا
روکو نہ اپنی لغزشِ مستانہ وار کو

تھی بوئے دوست موجِ نسیم سحر کے ساتھ
یہ اور لے اڑی مرے مشتِ غبار کو

یہ رازِ دل تو ہستی کل کائنات ہے
دیکھیں حضور دیدۂ امیدوار کو

تیری ہی شوخیاں تھیں گرہ میں دبی ہوئی
چھیڑا جو میں نے موجِ نسیمِ بہار کو

کچھ اور ہی فضا دلِ بے مدعا کی ہے	دیکھا ہے روزِ وصل و شبِ انتظار کو
غنچۂ نشاطِ روح کا اک کھل گیا چمن	جنبش ہوئی جو خامۂ رنگیں نگار کو

یوں نہ مایوس ہوئے شورشِ ناکام ابھی	میری رگ رگ میں ہے اک آتشِ بے نام ابھی
عاشقی کیا ہے ہر اک شے سے تہی ہو جانا	اس سے ملنے کی ہے دل میں ہوسِ خام ابھی
انتہا کیف کی افتادگی دلبستی ہے	مجھ سے کہتا تھا یہی دُردِ تہِ جام ابھی
علم و حکمت کی تمنا ہے نہ کونین کا غم	میرے شیشے میں ہے باقی مئے گلفام ابھی
سب مزے کر دیئے خورشیدِ قیامت نے خراب	میری آنکھوں میں تھا اک روئے دلارام ابھی
بلبلِ زار سے گو صحنِ چمن چھوٹ گیا	اس کے سینے میں ہے اک شعلۂ گلفام ابھی

نہ کچھ فنا کی خبر ہے، نہ ہے بقا معلوم	بس ایک بےخبری ہے سو وہ بھی کیا معلوم
ہجومِ شوق میں اب کیا کہوں میں کیا نہ کہوں	مجھے تو خود بھی نہیں اپنا مدعا معلوم
غرض یہ ہے کسی عنواں تجھے کریں مائل	کرشمہ سازیِ ہر رندِ پارسا معلوم
جبینِ شوق کی شوریدگی کو کیا کہیے	وگرنہ عشوہ طرازیِ نقشِ پا معلوم
نکھر کے تو اسی پردے میں جلوہ آرا ہے	بہارِ لالہ و گل شوخیِ صبا معلوم
ستم جو چاہے کرے مجھ پہ عکسِ ذوقِ نظر	بساطِ آئینۂ حسنِ خودنما معلوم

ہر موج ہوا زلفِ پریشانِ محمدؐ
ہے نورِ سحر صورتِ خندانِ محمدؐ

کچھ صبحِ ازل کی نہ خبر شامِ ابد کی
بیخود ہوں تہِ سایۂ دامانِ محمدؐ

تو سینۂ صدیقؓ میں اک رازِ نہاں ہے
صدقے ترے اے صورتِ جانانِ محمدؐ

چھٹ جائے اگر دامنِ کونین تو کیا غم
لیکن نہ چھٹے ہاتھ سے دامانِ محمدؐ

دے عرصۂ کونین میں یا رب کہیں وسعت
پھر وجد میں ہے روحِ شہیدانِ محمدؐ

بجلی ہو مہ و مہر ہو یا شمعِ حرم ہو
ہے سب کے جگر میں رخِ تابانِ محمدؐ

اے حسنِ ازل اپنی اداؤں کے مزے لے
ہے سامنے آئینۂ حیرانِ محمدؐ

اصغر ترے نغموں میں بھی ہے جوشِ درود آج
اے بلبلِ شوریدۂ بستانِ محمدؐ

ازل میں کچھ جھلک پائی تھی اس آشوبِ عالم کی
ابھی تک ذرّہ ذرّہ پر ہے حالت رقصِ پیہم کی

نظامِ دہر کیا؟ بیتابیوں کے کچھ مظاہر ہیں
گدازِ عشق گویا روح ہے ارکانِ عالم کی

نہیں معلوم کتنے جلوہ ہائے حسن پنہاں ہوں
کوئی پہنچا نہیں گہرائیوں میں اشکِ پیہم کی

خودی ہو جو لیے جاتی ہے سب کو بیخبر کر کے
اسی چھوٹے سے نقطہ پر نظر ہے سارے عالم کی

شعاعِ مہر خود بیتاب ہے جذبِ محبت سے
حقیقت اس کو سب معلوم ہے پروازِ شبنم کی

نہ سمجھا دہر کو میں مبتلائے رنگ و بو ہو کر
مجھے سازِ طرب نے دیں صدائیں نالۂ غم کی

غزل کیا، اک شرارِ معنوی گردش میں ہے اصغر
یہاں افسوس گنجائش نہیں فریاد و ماتم کی

ہم ایک بار جلوۂ جانانہ دیکھتے
پھر کعبہ دیکھتے نہ صنم خانہ دیکھتے

گرتا وہ جھوم جھوم کے رندانِ مست کا
پھر پائے خم پہ سجدۂ شکرانہ دیکھتے

اک شعلہ اور شمع سے بڑھکر ہے رقص میں
تم پھاڑ کر تو سینۂ پروانہ دیکھتے

رندوں کو صرف نشۂ نیرنگ سے غرض
یہ شیشہ دیکھتے ہیں نہ پیمانہ دیکھتے

بکھری ہوئی ہو زلف بھی اس چشمِ مست پر
ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ دیکھتے

ملتی کہیں کہیں پہ رہِ مستقیم بھی
اہلِ طریق لغزشِ مستانہ دیکھتے

شاید کہ پیام آیا پھر وادیِ سینا سے
شعلے سے لپکتے ہیں کچھ کسوتِ مینا سے

مجھ کو وہی کافی ہے ساقی تری مینا سے
جو کھنچکے چلی آئی خود جذبِ تمنا سے

عالم کی فضا پوچھو محرومِ تمنا سے
بیٹھا ہوا دنیا میں اٹھ جائے جو دنیا سے

یارب مجھے مطلب ہے شیشہ سے نہ مینا سے
ساغر کوئی ٹپکا دے اس اوجِ ثریا سے

اسرارِ حقیقت کو اک ایک سے پوچھا ہے
ہر نغمۂ رنگیں سے ہر شاہدِ زیبا سے

میخانہ کی یہ صحبت اے شیخ غنیمت ہے
لے کچھ لبِ ساغر سے کچھ سینۂ مینا سے

رہ رہ کے چمکتی ہے وہ برقِ تبسم بھی — لہریں سی جو اٹھتی ہیں کچھ چشمِ تمنا سے

تم دید کو کہتے ہو آئینہ ذرا دیکھو — خود حسن نکھر آیا اس کیف تماشا سے

انوار کی ریزش ہو اسرار کی بارش ہو — ساغر کو جو ٹکرا دوں اس گنبدِ مینا سے

یا زندگیِ نو تھی ہر موجِ حوادث کی — یا موت کا طالب ہوں انفاسِ مسیحا سے

وہ عشق کی عظمت سے شاید نہیں واقف ہیں — سو حسن کروں پیدا ایک ایک تمنا سے

اشعار پہ اصغر کے ہے رقص رگِ جاں میں — اک موجِ نسیم آئی کیا باغِ معلّٰی سے

برق میں جوشِ اضطراب ذرے میں سوز و سازِ عشق — کل یہ فضائے دہر ہے سینۂ پُر گدازِ عشق

فتنۂ دہر مٹ گیا حشر اٹھا تھا اٹھ چکا — ختم مگر نہ ہو سکا مرحلۂ درازِ عشق

محوِ ادائے ناز ہے یوں ہمہ تن نیاز ہے — پوچھ صنم پرست سے کیفیتِ نمازِ عشق

مستیِ نازِ حسن کو کہتے ہیں بے نیازی — اس سے بھی بے نیاز ہے بیخودیِ نیازِ عشق

حسرتِ آرزو سے ہے حاصلِ حسن بھی اتنا — اک غمِ ناتمام ہے طرۂ امتیازِ عشق

زاہدِ سادہ لوح کو وہم تھا اشتباہ تھا — مصحفِ رخ سے حل ہوا مسئلۂ جوازِ عشق

بیخودی و وجدِ جسم و جاں مست زمین و آسماں — حسن نے دستِ ناز سے چھیڑ دیا ہے سازِ عشق

گلوں کی جلوہ گری مہر و مہ کی بوالعجبی — تمام شعبدہ ہائے طلسم بے سببی

گذر گئی ترے مستوں پہ وہ بھی تیرہ شبی — نہ کہکشاں نہ ثریا نہ خوشۂ عنبی

یہ زندگی ہے یہی اصلِ علم و حکمت ہے — جمالِ دوست و شبِ ماہ و بادۂ رطبی

فروغِ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شے — ادا و رسمِ ہلالی و طرزِ بولہبی

ہجومِ غم میں نہیں کوئی تیرہ بختوں کا — کہاں ہے آج تو اے آفتابِ نیم شبی

سرشتِ عشق طلب اور حسنِ بے پایاں — حصولِ تشنہ لبی ہے شدید تشنہ لبی

وہیں سے عشق نے بھی شورشیں اڑائی ہیں — جہاں سے تو نے لیے خندہ ہائے زیرِ لبی
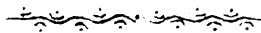
کشش نہ جامِ نگاریں کی پوچھیے ساقی — جھلک رہا ہے مرا آبِ رنگ تشنہ لبی

صحنِ حرم نہیں ہے یہ کوئے بتاں نہیں — اب کچھ نہ پوچھیے کہ کہاں ہوں کہاں نہیں

مجھ میں نوائے عیش کی رنگینیاں نہیں — سوزِ خموشِ عشق ہوں سازِ بیاں نہیں

مدت ہوئی کہ چشمِ تحیر کو ہے سکوت — اب جنبشِ نظر میں کوئی داستاں نہیں

وہ بہترین دورِ محبت گذر گیا — اب مبتلائے کشمکشِ امتحاں نہیں

اب ہو تو سنگِ خشت سے سر کو سکوں ہو — وہ آستاں نہیں تو کوئی آستاں نہیں

کیا مشقِ آرزو کی ہیں یہ سحر کاریاں — کیا گوشۂ قفس میں مرا آشیاں نہیں

کسب حیات نو تری ہر سر ادا سے ہے — مرنا پسند خاطر ارباب جاں نہیں

سارا حصول عشق کی ناکامیوں میں ہے — جو عمر رائگاں ہے وہی رائگاں نہیں

تسلیم مجھ کو خانۂ کعبہ کی منزلت — سب کچھ سہی مگر وہ ترا آستاں نہیں

ہوتا ہے راز عشق و محبت انہیں سے فاش — آنکھیں زباں نہیں ہیں مگر بے زباں نہیں

فطرت سنا رہی ہے ازل سے اسی طرح — لیکن ہنوز ختم مری داستاں نہیں

دیکھوں ہجوم غم میں وہ لیں کس طرح خبر — یہ اس کا امتحاں ہے مرا امتحاں نہیں

اب اس نگاہِ ناز سے ربط لطیف ہے — مجھ کو دماغ صحبتِ روحانیاں نہیں

کیا فیض بخشیاں ہیں رخ بے نقاب کی — ذرّوں میں روح دوڑ گئی آفتاب کی

طاقت کہاں مشاہدۂ بے حجاب کی — مجھ کو تو پھونک دے گی تجلی نقاب کی

مجھ کو خبر رہی نہ رخ بے نقاب کی — ہیں خود نمود حسن میں شانیں حجاب کی

اتنا کہ اذن شورش و فریاد دیجیے — مجھ کو سوال کی نہ ضرورت جواب کی

میں بوالہوس نہیں کہ بجھا دوں گا تشنگی — میرے لیے تو اٹھتی ہیں موجیں سراب کی

نقش قدم یہ ہیں اسی جان بہار کے — اک پنکھڑی پڑی ہے لحد پر گلاب کی

موسیٰ ظہور برق تجلی سے غش ہوئے — مجھ کو تو مار ڈالتی شوخی جواب کی

حل کر لیا مجاز و حقیقت کے راز کو — پائی ہے میں نے خواب میں تعبیر خواب کی
تھی ہر عمل میں دعوئے ہستی کی معصیت — مستوں نے اور راہ نکالی ثواب کی
کچھ انکی شوخیوں سے مجھے وہم ہو چلا — دیکھوں تو قلب پہاڑ کے شکل اضطراب کی
پیری میں عقل آئی تو سمجھے کہ خوب تھی — ڈوبی ہوئی نشاط میں غفلت شباب کی
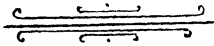
نہ ہوگا ہستی بے مدعا کا راز داں برسوں — وہ زاہد جو رہا سرگشتہ سود و زیاں برسوں
ابھی مجھ سے سبق لے محفل روحانیاں برسوں — رہا ہوں میں شریک حلقۂ پیر مغاں برسوں
کچھ اس انداز سے چھیڑا تھا میں نے نغمۂ رنگیں — کہ فرط ذوق سے جھومی ہے شاخ آشیاں برسوں
جبیں شوق لائی ہے وہاں سے داغ ناکامی — یہ کیا کرتی رہی کمبخت ننگ آستاں برسوں
وہی تھا حال میرا جو بیاں میں آ نہ سکتا تھا — جسے کرتا رہا افشا سکوت راز داں برسوں
نہ پوچھو مجھ سے کیا گذری ہے میری مشق حسرت سے — قفس کے سامنے رکھا رہا ہے آشیاں برسوں
خروش آرزو ہو نغمۂ خاموش الفت میں — یہ کیا اک شیوۂ فرسودۂ آہ و فغاں برسوں
نہ کی کچھ لذت افتادگی میں اعتنا میں نے — مجھے دیکھا کیا اٹھکر غبار کارواں برسوں
وہاں کیا ہے نگاہ ناز کی ہلکی سی جنبش ہے — مزے لے لیکے اب تڑپا کریں ارباب جاں برسوں
محبت ابتدا سے تھی مجھے گلہائے رنگیں سے — رہا ہوں آشیاں میں لیکے برق آشیاں برسوں

میں وہ ہرگز نہیں جسکو قفس سے موت آتی ہو ۔۔۔ میں وہ ہوں جسنے خود دیکھا نہ سوئے آشیاں برسوں
غزل میں درد رنگیں تو نے اصغر بھر دیا ایسا ۔۔۔ کہ اس میدان میں تیرے رہیں گے نوحہ خواں برسوں

یہ عشق نے دیکھا ہے، یہ عقل سے پنہاں ہے ۔۔۔ قطرہ میں سمندر ہے، ذرہ میں بیاباں ہے
ہے عشق کہ محشر میں یوں مست و خراماں ہے ۔۔۔ دوزخ بہ گریباں ہے، فردوس بہ داماں ہے
ہر شے میں تو ہی تو ہے، یہ بُعد یہ حرماں ہے ۔۔۔ صورت جو نہیں دیکھی یہ قرب رگ جاں ہے
ہے عشق کی شورش سے رعنائی و زیبائی ۔۔۔ جو خون اُچھلتا ہے وہ رنگ گلستاں ہے
پھر گرم نوازش ہے ضو مہر درخشاں کی ۔۔۔ پھر قطرۂ شبنم میں ہنگامۂ طوفاں ہے
اے پیکر محبوبی میں کس سے تجھے پوچھوں ۔۔۔ جسنے تجھے دیکھا ہے وہ دیدۂ حیراں ہے
سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا ۔۔۔ جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے
اک شورش بے حاصل اک آتش بے پروا ۔۔۔ آتشکدۂ دل میں اب کفر نہ ایماں ہے
دھوکا ہے یہ نظروں کا، بازیچہ ہے لذت کا ۔۔۔ جو کنج قفس میں تھا وہ اصل گلستاں ہے
اک غنچۂ افسردہ یہ دل کی حقیقت تھی ۔۔۔ یہ موج زنی خوں کی رنگینی پیکاں ہے
یہ حسن کی موجیں ہیں یا جوش تبسم ہے ۔۔۔ اس شوخ کے ہونٹوں پر اک برق سی لرزاں ہے
مضراب محبت سے اک زمزمۂ لاہوتی ؟ ۔۔۔ پھر جوش ترنم سے بیتاب رگ جاں ہے

آغوشِ میں ساحل کے کیا لطفِ سکوں اسکو - یہ جانِ ازل ہی سے پروردۂ طوفاں ہے
سب رنگ و لطافت ہے افتادگیِ غم میں - میں خاک ہوں اور مجھ میں سب رازِ گلستاں ہے
گم صاحبِ تمکیں ہے افسانۂ محفل میں - مجنوں کو بھی لیکن پیغامِ بیاباں ہے
بیحسن تعین سے ظاہر ہو کہ باطن ہو - یہ قیدِ نظر کی ہے وہ فکر کا زنداں ہے
اک ایک نفس میں ہے صد مرگِ بلا مضمر - جینا ہی بہت مشکل مرنا بہت آساں ہے
اک جہد و کشاکش ہے ہستی جسے کہتے ہیں - کفار کا مٹ جانا خود مرگِ مسلماں ہے
ہستی بھی مری پردہ، یہ لفظ و بیاں پردہ - وہ پردہ نشیں پھر بھی ہر پردے میں عریاں ہے
وہ نغمۂ رنگیں سب میں بھول گیا اصغر - اب گریۂ خونیں میں روداد گلستاں ہے

جو نقش ہے ہستی کا دھوکا نظر آتا ہے - پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے
نیرنگِ تماشا وہ جلوہ نظر آتا ہے - آنکھوں سے اگر دیکھو پردا نظر آتا ہے
لو شمعِ حقیقت کی اپنی ہی جگہ پر ہے - فانوس کی گردش سے کیا کیا نظر آتا ہے
اے پردہ نشیں ضد ہے کیا چشمِ تمنا کو - تو دفترِ گل میں بھی رسوا نظر آتا ہے
نظارہ بھی اب گم ہے بیخود ہے تماشائی - اب کون کہے اسکو جلوا نظر آتا ہے
جو کچھ تھی یہاں رونق سب بادِ حزیں سے تھی - اب کنجِ قفس مجھ کو سونا نظر آتا ہے

احساس میں پیدا ہی پھر رنگ گلستانی — پھر داغ کوئی دل میں تازہ نظر آتا ہے

تھی فردِ عمل اصغرؔ کیا دستِ مشیت میں — ایک ایک ورق اس کا سادا نظر آتا ہے

جانِ نشاط حسن کی دنیا کہیں جسے — جنت ہی ایک، خونِ تمنا کہیں جسے

اس جلوہ گاہِ حسن میں چھایا ہی ہر طرف — ایسا حجابِ چشمِ تماشا کہیں جسے

یہ اصلِ زندگی ہی، یہ جانِ حیات ہی — حسنِ مذاق، شورشِ سودا کہیں جسے

میرے وداعِ ہوش کو اتنا بھی ہی بہت — یہ آب و رنگ حسن کا پردا کہیں جسے

اکثر رہا ہی حسنِ حقیقت بھی سامنے — اک مستقل سرابِ تمنا کہیں جسے

ہر موج کی وہ شان ہی جامِ شراب میں — برقِ فضائے وادیِ سینا کہیں جسے

زندانیوں کو آکے نہ چھیڑا کرے بہت — جانِ بہار نکہتِ رسوا کہیں جسے

میں ہوں ازل سے گرمِ روِ عرصۂ وجود — میرا ہی کچھ غبار ہی، دنیا کہیں جسے

مستیوں میں شیشۂ مے لیکے ہاتھ میں — اتنا اُچھال دیں کہ ثریا کہیں جسے

شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے — وہ ربطِ خاص رنجشِ بیجا کہیں جسے

میری نگاہِ شوق پہ اب تک ہی منعکس — حسنِ خیال، شاہدِ زیبا کہیں جسے

میری فغانِ درد پہ اس سروِ ناز کو — ایسا سکوت ہی کہ تقاضا کہیں جسے

دل جلوہ گاہِ حسن بنا فیضِ عشق سے — وہ داغ ہے کہ شاہدِ رعنا کہیں جسے
اصغرؔ نہ کھولنا کسی حکمت مآب پر — رازِ حیات، ساغر و مینا کہیں جسے

عشق ہی اک کیفِ پنہانی مگر رنجور ہے — حُسن بے پروا نہیں ہوتا مگر دستور ہے
خستگی نے کر دیا اسکو رگِ جاں سے قریب — جستجو ظالم کہے جاتی تھی منزل دور ہے
ہے یہی ظلمتکدہ میں اس سے محرومی کی داد — اس سے آگے لے دلِ مضطر حجابِ نور ہے
لب پہ موجِ حسن جب چمکے تبسّم نام ہو — ربِّ ارنی کہکے چیخ اٹھوں تو برقِ طور ہے
نور آنکھوں میں اسی کا جلوہ خود نورِ محیط — دید کیا ہے اک تلاطم میں ہجومِ نور ہے
آنکھ ہو جب محوِ حیرت تو نمایاں ہے وہی — فکر ہو جب کارفرما تو وہی مستور ہے
دیکھتا ہوں میں کہ ہے بحرِ حقیقت جوش پر — جو حباب اُٹھ اُٹھ کے مٹتا ہے سرِ منصور ہے

بسترِ خاک پہ بیٹھا ہوں نہ مستی ہے نہ ہوش — ذرے سب ساکت و صامت ہیں ستارے خاموش
نظر آتی ہے مظاہر میں مری شکل مجھے — فطرت آئینہ بدست اور میں حیران و خموش
ترجمانی کی مجھے آج اجازت دیدے — شجرِ طور ہے ساکت لبِ منصور خموش
بحر آوازِ انا البحر اگر دے تو بجا — پردۂ قطرۂ ناچیز سے کیوں ہے یہ خروش

ہستیِ غیب سے گہوارۂ فطرت جنباں - خواب میں طفلکِ عالم ہے سراسر مدہوش
پرتو مہر ہی ذوقِ رم و بیداری دے - بسترِ گل پہ ہے اک قطرۂ شبنم مدہوش

فریبِ دام گہ رنگ و بو معاذ اللہ - یہ اہتمام ہے اور ایک مشتِ پر کیلئے
جو دل سے تیر کوئی پار بھی ہوا تو کیا - تڑپ رہا ہوں ابھی تک تری نظر کیلئے
حقیقت ایک ہے صد ہا لباسِ رنگیں میں - نظر بھی چاہیئے کچھ حسنِ رہ گذر کیلئے
بہائے درد و الم درد و غم کی لذت ہے - وہ ننگِ عشق ہے جو آہ ہو اثر کیلئے
بتوں کے حسن میں بھی نشان ہے خدائی کی - ہزار عذر ہیں اک لذتِ نظر کیلئے

سر سے پا تک مری ہستی گرمِ سوز و ساز ہے - جلوۂ حسنِ بتاں اک غیب کی آواز ہے
چھیڑتی ہے کس لگاوٹ سے نگاہِ شوق کو - خود بہت باکیف تیری جلوہ گاہِ ناز ہے
دوست اے بیتابیِ دل ہے رگِ جاں سے قریب - درد جو کچھ ہے خود اپنا جلوۂ پرواز ہے
عشق تبسم کہ یہ رازِ جہاں کی کائنات - عقل سرگرداں کہ ہر ذرہ جہانِ راز ہے
کسقدر پُر کیف ہے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا - اصلِ نغمہ ایک آوازِ شکستِ ساز ہے
ہے بہت اعلیٰ مقامِ خستگی و عاجزی - بے پر و بالی سرِ شِ عشق کی پرواز ہے
حسن کے فتنے اٹھے میرے مذاقِ شوق سے - جس سے میں بیچین ہوں وہ خود مری آواز ہے

متفرقات

توڑ کر دستِ طلب محوِ رضا ہو جائے	سر سے پا تک ہمہ تن آپ دعا ہو جائے

مجھ خستہ و مہجور کی آنکھیں ہیں ترستی	کب سے تجھے ای سروِ خراماں نہیں دیکھا

وہ مزے ربط نہانی کے کہاں سے لاؤں	ہے نظر مجھ پہ مگر اب غلط انداز نہیں

یہ کیا کہا کہ غمِ عشق ناگوار ہوا	مجھے تو جرعۂ تلخ اور سازگار ہوا

گو نہیں رہتا کبھی پردے میں رازِ عاشقی	تم نے چھپ کر اور بھی اُسکو نمایاں کر دیا

غرض نشاط و الم سے فقط تماشا ہے	کہ یہ مناظرہ اور میں ہوں رہگذری
نہ مدّعا کوئی میرا نہ کچھ ہراس مجھے	کہ عاشقی ہے فقط بیدلی و بے جگری

اسکو بھی شغل زیست گوارا بنائیے — تلخابۂ حیات کہ صہبا کہیں جسے

ابتک تمام فکر و نظر پر محیط ہے — شکل صفات، معنی اشیا کہیں جسے

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا — اشعار میں سنتے ہیں کچھ کچھ وہ نمایاں ہے

دیر و حرم بھی منزل جاناں میں آئے تھے — پر شکر ہے کہ بڑھ گئے دامن بچا کے ہم

عشق تھا آپ مشغول حسن تھا خود نمود پر — میری نظر سے کیا ہوا تیری نظر نے کیا کیا

کہیں اور اب جو ملتی تری حسن کی تجلی — تو نہ میری خاک ملتی نہ مرا غبار ہوتا

مطرب فتنہ نوا نغمۂ پر درد نہ چھیڑ — نکلا پڑتا ہے مرے سینہ سے باہر کوئی

اس طرح چھیڑ رہے افسانۂ ہجراں کوئی — آج ثابت نظر آئے نہ گریباں کوئی

ہے اب تو تمنا کہ کسی کو بھی نہ دیکھو — صورت جو دکھا دی ہے تو لیجاؤ نظر بھی

کس طرح حسن دوست ہے بے پردہ آشکار — صدہا حجاب صورت و معنی لیے ہوئے

رہا جو ہوش تو رندی و میکشی کیا ہے — ذرا خبر جو ہوئی پھر وہ آگہی کیا ہے

کسی طرح تو دل زار کو قرار آئے — جو غم دیا ہے تو پھر سعی دلدہی کیا ہے